معارف

فروری ۲۰۱۷ء

مجلس دارالمصنّفین کا ماہوار علمی رسالہ

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ

سالانہ زرتعاون

ہندوستان میں سالانہ ۲۸۰/روپئے۔ فی شمارہ ۲۵/روپئے۔ رجسٹرڈ ڈاک ۴۸۴/روپئے

دیگر ممالک میں سادہ ڈاک ۱۶۶۰/روپئے۔ دیگر ممالک رجسٹرڈ ڈاک ۱۷۸۰/روپئے

ہندوستان میں ۵ سال کی خریداری صرف ۱۳۰۰/روپئے میں دستیاب۔

پاکستان میں ماہنامہ معارف کے لئے رابطہ کریں

HAFIZ SAJJAD ELAHI

196 - AHMAD BLOCK, NEW GARDEN TOWN

LAHORE (PUNJAB) PAKISTAN

Tel: 0300 - 4682752, (R) 5863609, (O) 7280916

Email: abdulhadi_133@yahoo.com

سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔ بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں۔

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY, AZAMGARH

- زرتعاون ختم ہونے پر تین ماہ کے بعد رسالہ بند کر دیا جائے گا۔
- معارف کا زرتعاون وقت مقررہ پر روانہ فرمائیں۔
- خط وکتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافے پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
- معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔
- کمیشن ۲۵ فیصد ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہئے۔

Email: shibli_academy@rediffmail.com, info@shibliacademy.org

Website: www.shibliacademy.org

Bank Name: Punjab National Bank - Heerapatti, Azamgarh

Account No: 4761005500000051 - IFSC No: PUNB0476100

✆ (Office Mobile) 09170060782

عبدالمنان ہلالی (جوائنٹ سکریٹری/منیجر) نے معارف پریس میں چھپوا کر

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی کا علمی و دینی ماہنامہ

معارف

جلد نمبر ۱۹۹ ماہ جمادی الاول ۱۴۳۸ھ مطابق ماہ فروری ۲۰۱۷ء عدد ۲

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی
پوسٹ بکس نمبر: ۱۹
شبلی روڈ، اعظم گڑھ (یوپی)
پن کوڈ: ۲۷۶۰۰۱

فہرست مضامین

شذرات

کون سوچ سکتا تھا کہ ڈونالڈ ٹرمپ جیسا شخص امریکہ کا صدر بن جائے گا۔ امریکہ کے طویل اور پیچیدہ الیکشن کے دوران بے شمار لوگ اس کی امیدواری کو ایک بھونڈا مذاق سمجھتے رہے۔ ایک ایسا شخص جس نے فراڈ سے غیر معمولی دولت کمائی، کسی طرح اپنے انکم ٹیکس کی تفصیلات فراہم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوا، جو غیر ملکیوں سے نفرت، اسلام دشمنی اور خواتین کے سلسلہ میں نہایت گھٹیا سوچ کے لیے جانا اور پہچانا جاتا تھا، ایک غیر مہذب شخص جو اپنی بدکرداری اور بدزبانی کے لیے مشہور تھا اور جسے کسی طرح کا سیاسی اور فوجی تجربہ نہیں تھا۔ امریکی قوم نے وہائٹ ہاؤس کی چابی اور دنیا کے سب سے مہلک ہتھیاروں کے سب سے بڑے ذخیرہ کو استعمال کرنے کا کوڈ اس کے حوالہ کر دیا۔ دنیا کی دوسری قوموں کی طرح امریکی قوم کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ جس کو بھی چاہے اپنا صدر منتخب کرے لیکن انہوں نے اس حق کو جس طرح استعمال کیا اس نے پوری دنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔ کہا جاتا ہے کہ جیسی قوم ہوتی ہے ویسے ہی حکمراں اس کو ملتے ہیں۔ اس اصول کی روشنی میں امریکی عوام کی جو تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے اسے کسی بھی طرح خوش آیند نہیں کہا جاسکتا۔ صدر ٹرمپ کی نظریاتی ترجیحات، سیاسی سوجھ بوجھ کی کمی اور اخلاقی دیوالیہ پن کو دیکھتے ہوئے دنیا بھر کے انصاف پسند لوگ امریکہ اور دنیا کے مستقبل کے بارے میں سخت فکر مند ہیں اس لیے کہ دنیا کی سب سے بڑی اقتصادی اور فوجی طاقت ہونے کی وجہ سے امریکی پالیسیوں کے اثرات دنیا بھر میں محسوس کیے جاتے ہیں۔ خود امریکہ میں آبادی کا ایک معتدبہ حصہ جس میں خواتین کا تناسب بہت زیادہ ہے، ٹرمپ کے خیالات اور نظریات سے شدید اختلاف رکھتا ہے اور پوری قوت سے ہر ممکن طریقہ سے اس کا اظہار بھی کر رہا ہے۔ صدر کے خلاف ان ابتدائی چند دنوں میں جس نوعیت کے اور جتنے مظاہرے ہو چکے ہیں امریکہ کی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ہے۔ پوری دنیا میں بے چینی اور ہراس کی ایک عجیب اور غیر یقینی فضا بن گئی ہے۔ صدر کی پالیسیوں اور بیانات کے نتیجہ میں گذشتہ چند دنوں کے اندر امریکہ کے طول و عرض ہی میں نہیں بلکہ امریکہ کے باہر بھی اسلام دشمنی کے جذبات میں بڑی تیزی سے اضافہ ہوا ہے اور اس کے اثرات برابر سامنے آرہے ہیں۔ ان سطور کو لکھتے وقت صورت حال یہ ہے کہ امریکہ کے ٹیکساس شہر میں ایک مسجد کو نذر آتش کر دیا گیا ہے اور کنیڈا کے کیوبک شہر میں ایک مسجد میں نمازیوں پر اندھادھند فائرنگ کی گئی ہے جس کے نتیجہ میں چھ نمازی شہید ہو گئے۔ ستّر سال کا یہ بوڑھا جسے کتاب اور علم و دانش سے دور کا بھی واسطہ نہیں، ہائی اسکول کی سطح کے کسی بگڑے ہوئے لیاقت اور صلاحیت سے عاری نوجوان کی طرح سلوک کر رہا ہے۔ اس کو یہ بھی اندازہ نہیں کہ اس کے قول و فعل کے کتنے دور رس اور خطرناک نتائج برآمد ہوں گے۔ ایک ضدی بچے کی طرح وہ ہر اس چیز کو حاصل کرنا چاہتا ہے جس کے لیے اس کا دل چاہے۔ اس کے نتیجہ میں دنیا اور

انسانیت پر جو بھی گذر جائے اس سے اس کو کوئی دلچسپی نہیں۔

ٹرمپ کی صدارت کے ابتدائی دس دن میں بڑی حد تک یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ وہ اپنے ملک اور دنیا کو کس سمت میں لے جانا چاہتے ہیں۔ جن لوگوں کا یہ خیال تھا کہ صدارت کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد ان کے مزاج میں کسی قدر ٹھہراؤ آ جائے گا اور ان کے انداز و اطوار میں تبدیلی آ جائے گی ان کو اپنی غلطی کا احساس ہو چکا ہے۔ مصنوعی عظمت کے خبط میں مبتلا یہ شخص ناقابلِ اصلاح ہے۔ نئے صدر کے اعلانات، کیبنٹ کا انتخاب اور ایک تسلسل سے جاری ہونے والے فرامین سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ موصوف کی زیر قیادت مستقبل کا امریکہ کیسا ہوگا اور دنیا سے امریکہ کے تعلقات کی نوعیت کیا ہوگی۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ان کا دورِ صدارت امریکہ کے لبرل طبقوں اور لبرل اداروں اور روایات کے لیے بہت سخت ثابت ہوگا۔ ان صفحات میں اس سے پہلے یہ ذکر آ چکا ہے کہ صدر اوبامہ نے اپنی تمام تر سمجھ بوجھ اور دانش وری کے باوجود دنیا بالخصوص اسلامی دنیا کو بہت مایوس کیا اور امریکہ میں انتہائی دائیں بازو کے عروج میں ان کی ناکامیوں کا بھی بہت کچھ ہاتھ ہے۔ البتہ انہوں نے جو بعض اچھے کام امریکہ کے لیے کیے تھے نئے صدر ان کو ختم کرنے میں غیر معمولی عجلت سے کام لے رہے ہیں۔ اوباما کیر کی بساط لپیٹنے کا کام شروع ہو چکا ہے۔ TPP سے علاحدگی ہو چکی۔ سات مسلم ممالک کے باشندوں کی امریکہ آمد پر پابندی کے احکام صادر ہو چکے ہیں اور ان میں اضافہ کا امکان ہے۔ یہ وہ ممالک ہیں جن میں سے بیشتر کی تباہی کی ذمہ داری امریکہ کے سر ہے۔ اسرائیل میں امریکی سفارت خانہ کو یروشلم منتقل کرنے کے عزم کا بار بار اظہار کیا جا چکا ہے۔ ''اسلامی دہشت گردی'' کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے پختہ ارادہ کا اعلان ہو چکا ہے۔ تارکین وطن کے سلسلہ میں ان کی پالیسی نے پوری دنیا میں ہلچل پیدا کر دی ہے اور اس کے خلاف دنیا بھر میں مظاہرے ہو رہے ہیں۔ میکسیکو کی سرحد پر دیوار بنانے کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ تارکین وطن سے نفرت، اسلام دشمنی اور اسرائیل دوستی کیا کیا گل کھلائے گی یہ تو وقت ہی بتائے گا۔ اس کے نتیجہ میں شدت پسندی میں جو اضافہ ہوگا اس کا البتہ ان کو کوئی اندازہ نہیں۔ دیکھا جائے امریکہ دراصل تارکین وطن ہی کا ملک ہے۔ اس کی مختصر تاریخ کے ہر دور میں دنیا بھر سے لوگ یہاں آتے رہے ہیں اور اپنی محنت سے اس کی ثروت مندی میں اضافہ کرتے رہے ہیں۔ وہاں کے اصل باشندوں کے ساتھ یوروپ سے آنے والے اولین تارکین وطن نے جو سلوک کیا وہ بڑا دردناک ہے۔ صدر موصوف جس راستے پر چل نکلے ہیں اور جس طرح ان کی مخالفت میں برابر اضافہ ہوتا جا رہا ہے یہ ناممکن نہیں ہے کہ ہم کچھ دنوں بعد یہ سنیں کہ ان کے خلاف مواخذہ (impeachment) کی تیاریاں شروع ہو چکی ہیں۔

مشہور محقق اور مورخ پروفیسر اقتدار حسین صدیقی ۲۸ر نومبر ۲۰۱۶ء کو علی گڑھ میں ۷۹ برس کی عمر میں انتقال کر گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ تدفین اگلے دن یونیورسٹی کے قبرستان میں ہوئی۔ ان کے انتقال سے ہندوستانی تاریخ خاص طور سے عہد وسطیٰ کی تاریخ کے میدان میں جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا بھرنا مشکل ہے۔ پروفیسر صدیقی مرحوم کا تعلق ضلع بجنور کی مردم خیز بستی سیوہارہ کے ایک معزز خاندان سے تھا، جہاں وہ ۳۰ر اپریل ۱۹۳۷ء میں پیدا ہوئے۔

اعلیٰ تعلیم علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے حاصل کی جہاں سے انہوں نے تاریخ میں ایم-اے کیا۔ابتدا میں جامعہ ملیہ اسلامیہ میں تدریس کے فرائض انجام دیے۔۱۹۶۶ء میں بحیثیت لکچرر شعبہ تاریخ،مسلم یونیورسٹی سے وابستہ ہوئے۔۱۹۷۷ء میں ریڈر اور ۱۹۸۵ء میں پروفیسر مقرر ہوئے۔۱۹۹۶ء میں شعبہ تاریخ کے چیرمین اور ۱۹۹۷ء میں فیکلٹی آف سوشل سائنسز کے ڈین کے عہدوں پر فائز ہوئے۔برٹش کونسل کے پروگرام کے تحت ۱۹۷۵ء میں ایک سال کے لیے انگلینڈ گئے جہاں انہوں نے برٹش انڈیا میوزیم اور انڈیا آفس کی لائبریوں سے بھرپور استفادہ کیا۔وہ زندگی بھر تحقیق و تصنیف اور علم و دانش کی خدمت میں مصروف رہے اور بڑا گراں قدر علمی ورثہ یادگار چھوڑا۔ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا اور خاص طور سے ہندوستان کے عہد وسطیٰ کے مآخذ پر ان کی نظر بہت گہری تھی۔ساتھ ہی ان کو بہت قوی حافظہ ودیعت ہوا تھا۔ان کی دلچسپی کے کسی موضوع پر گفتگو چھڑ جائے تو ان کی گل افشانیِ گفتار سننے اور دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔مآخذ پر گہری گرفت علی گڑھ تاریخ نویسی کے مکتبِ فکر کی بنیادی شناخت رہی ہے،اس لحاظ سے وہ اس روایت کے ایک نہایت ممتاز نمایندہ تھے۔

پروفیسر صدیقی کی علمی اور تحقیقی دلچسپی کا میدان بہت وسیع تھا۔ابتدا میں ان کی تحقیق کا موضوع ہندوستان میں افغان عہد حکومت تھا۔اس موضوع پر ان کی پہلی کتاب Some Aspects of Afghan Despotism in India ۱۹۶۹ میں علی گڑھ سے شائع ہوئی۔وقت کے ساتھ ان کی علمی دلچسپی اور تحقیق کا دائرہ کار وسیع ہوتا گیا اور عہد وسطیٰ کی تاریخ بحیثیت مجموعی ان کی بحث و نظر کا موضوع بن گئی۔بعد میں وہ تاریخ کے ساتھ ادب میں بھی دلچسپی لینے لگے تھے اور تاریخ میں بھی سیاسی تاریخ سے زیادہ افکار کی تاریخ ان کی توجہ کا مرکز بن گئی تھی۔تاریخ نویسی،تصوف،ملفوظات، ہندوستان میں اسلام اور تاریخ کے مصادر پر انہوں نے بہت وقیع نوعیت کا کام کیا۔تاریخ صدر جہاں،نتائج الافکار،تاریخ منازل بخارا،تاریخ داؤدی اور واقعات مشتاقی ان مآخذ میں شامل ہیں جن کو انہوں نے ایڈٹ کیا یا ان کا ترجمہ کیا۔

انہوں نے اردو میں بھی قابل ذکر علمی نگارشات یادگار چھوڑی ہیں۔اردو میں تاریخ نگاری کی ابتدا، اٹھارہویں صدی میں روہیل کھنڈ،قائم چاند پوری کی فارسی اور اردو نگارشات،عہد وسطیٰ کے ملفوظات کی تدوین،مشترکہ تہذیب کا ارتقاء اور فارسی زبان و ادب کے علاوہ غالب،اقبال،سرسید اور شبلی جیسے موضوعات بھی ان کی علمی تگ و تاز کے میدان رہے ہیں۔

ان کی تحقیقی و تصنیفی زندگی نصف صدی پر محیط ہے۔ان کے قلم سے نکلنے والی کتابوں اور مضامین کی فہرست بہت طویل ہے۔ان کی تحقیقات کے نتیجہ میں ہندوستان کی عہد وسطیٰ کی تاریخ کے کئی نئے گوشے روشنی میں آئے،کئی غلطیوں اور غلط فہمیوں کا ازالہ ہوا اور بعض مسائل اور مباحث کے سلسلہ میں بالکل نئی جہات سامنے آئیں۔انتقال کے وقت ان کی ایک کتاب Islam and Its Culture پریس میں تھی اور ایک سے زیادہ کتابیں تیاری کے آخری مراحل میں تھیں۔مزاج میں بڑا انکسار اور سادگی تھی۔علمی مسائل میں بڑے کھلے دل سے دوسروں کی مدد کرتے تھے۔آخر تک علمی مصروفیات میں مشغول رہے اور چلتے پھرتے دنیا سے رخصت ہوگئے۔راقم حروف پر ان کی رفاقت اور عنایات کے بڑے حقوق ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائے۔آمین!

مقالات

حافظ ابن حجر العسقلانی اور ان کا نادر نسخہ "ہدی الساری"

(نسخۂ کاندھلہ)

مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی

ہر مسلمان جو اسلام سے کسی درجہ کا بھی تعلق رکھتا ہے، جانتا ہے کہ اسلام کی بنیادی دستاویز اور قیامت تک رہنے والی کتاب، قرآن کریم ہے، جو منزل من اللہ اور آخری وحی ہے، قرآن کے احکام، ہدایات، تعلیمات، واقعات اور اجمال کی تفصیل و تشریح احادیث نبویہ کرتی ہیں، علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام! اور احادیث شریفہ کے جس قدر بھی مجموعے مرتب ہوئے اور کتابیں لکھی گئیں، ان تمام مجموعوں میں سے جو کتاب احادیث کے تمام مجموعوں پر فائق، اعلیٰ سند و انتخاب میں سب سے نمایاں اور امت میں مقبولیت کے لحاظ سے سب سے اعلیٰ ہے، وہ حضرت امام محمد بن اسماعیل البخاری کی کتاب صحیح بخاری ہے۔ جس کو ائمۂ فن حدیث و رجال اور بے شمار جلیل القدر علماء نے ہر کسوٹی پر کسا اور سند و اعتبار کے لیے سخت سے سخت معیاروں پر جانچا مگر حضرت امام بخاری کی یہ خدمت ہر اعتبار سے اس مقام پر پہنچی کہ دنیا کی تمام انسانی کاوشوں، تصانیف و تحریرات میں اس سے بلند تر مقام کسی کو نصیب نہیں ہوا۔

اصح الکتب بعد کتاب اللہ تعالیٰ وہ مبارک سند ہے کہ کوئی بھی علمی کاوش و کوشش اس کے ہم پایہ نہیں۔

صحیح بخاری جس مقام و مرتبہ کی کتاب ہے، اس کا ویسا ہی غیر معمولی استقبال ہوا، اس کی تعلیم و اجازت، شرح و تحقیق اور مغلقات کے حل کے لیے بے مثال کوششیں سامنے آئیں۔ حضرت امام بخاری سے اس کی براہ راست سماعت و روایت کرنے والے اصحاب نوّے ہزار سے زیادہ ہوئے اور ابھی

مفتی الٰہی بخش اکیڈمی، مولویان، کاندھلہ، شاملی (مظفر نگر) یوپی۔ Email:nhrashidkandhlavi@yahoo.com

صحیح بخاری کی تالیف پر زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ اس کی شرح و تعلیق کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ سب سے پہلی شرح امام خطابی (الامام احمد بن محمد الخطابی۔ المتوفی ۳۸۸ھ۔ ۹۹۸ء) کی شرح (اعلام السنن) ہے، جو امام بخاری کی وفات کے تقریباً سو سال بعد لکھی گئی۔(۱) اس کے بعد سندات، رواۃ، ترتیب، ترجیحات، تنقیدات، ابواب بخاری اور مسلک امام بخاری، ثلاثیات بخاری، تلخیصات بخاری، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے متفق علیہ (مما اتفق علیہ الشیخان) اور مختلف فیہ پہلوؤں کے علاوہ، صحیح بخاری سے وابستہ بیسیوں عنوانات اور گوشوں پر تحریر کا ایک وسیع ولامتناہی عمل جاری ہوا، جو آج تک اسی طرح جاری ہے اور بعض حیثیتوں اور عنوانات میں غالباً متقدمین سے بھی بڑھا ہوا ہے۔(۲) لیکن صحیح بخاری کی کئی سو شرحیں اور اس پر کیے گئے بیسیوں پہلوؤں پر بے شمار کاموں اور غیر معمولی خدمات اور کارناموں کے باوجود، مشہور محدث و محقق علامہ عجلونی الجراحی فرماتے ہیں:

"مع كثرة الشارحين لصحيح البخاري والخادمين، فقد قالوا انه كالبكر التى لم تمسها الرجال و كالمستور من ربات الخباء والحجال"۔ (۳)

صحیح بخاری کی ان تمام شروحات و متعلقات کے اس ذخیرہ یا خزانہ میں، شیخ الاسلام، خاتمۃ الحفاظ والمحدثین، حافظ ابن حجر (احمد بن محمد العسقلانی) کی شرح صحیح بخاری، فتح الباری کا جو مقام ہے اور ان کے عہد سے آج تک جس کثرت، تواتر و تسلسل کے ساتھ، اس شرح سے استفادہ کیا گیا ہے، وہ بخاری شریف کی شروحات، بلکہ حدیث شریف کی تمام کتب شرح میں گویا منفرد ہے۔ چند کتابوں کے علاوہ کسی شرح حدیث کو وہ مقام رفیع اور قبولیت و اعتماد کا مرتبہ حاصل نہیں ہوا، جو فتح الباری کے حصہ میں آیا ہے۔ علامہ شوکانی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ: "**لا هجرة بعد الفتح**" یعنی فتح الباری کی تصنیف کے بعد، شرح بخاری کے جملہ مقاصد، بڑی حد تک حل ہو گئے ہیں، اس لیے اس کے بعد اس موضوع پر، کسی نئی کتاب اور شرح کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ علامہ شوکانی کی یہ رائے اگرچہ فتح الباری کے لیے بہت بڑا اخراج تحسین ہے، مگر قول فیصل نہیں۔ حافظ ابن حجر اور علامہ ابن خلدون، دونوں کے عہد سے عصر حاضر تک، علماء اور محدثین کرام نے صحیح بخاری کے مقام و مرتبہ کی کامل دریافت کے لیے اس کے علوِ شان اور امام بخاری کی دقت نظر اور رفعت پرواز کی تحقیق اور اس تک رسائی کے لیے ایسے نئے گوشے

تلاش کیے ہیں، جہاں اہم شراح نہیں پہنچے۔(۴)

فتح الباری حافظ ابن حجر کی شروحات صحیح بخاری میں سے دوسری کتاب یا اوسط شرح کا نام ہے۔ حافظ نے اول صحیح بخاری کی ایک مفصل شرح لکھنی شروع کی تھی، جو مکمل نہیں ہوئی، دوسری فتح الباری ہے، تیسرا فتح الباری کا خلاصہ یا مختصر شرح بخاری تھی، یہ بھی مکمل نہیں ہوئی مگر دونوں کے ناتمام نسخے دریافت ہیں۔ بڑی شرح کے ارادہ سے صحیح بخاری کے مطالب ومقاصد کی تنقیح وترتیب کے لیے حافظ ابن حجر نے ایک بہت مفصل، جامع اور عظیم مقدمہ لکھا تھا، اگرچہ یہ مفصل شرح مکمل ہوکر، امت کے ہاتھوں میں نہیں آئی، مگراس شرح کے لیے جو مقدمہ لکھا گیا تھا، وہ ''هدی الساری'' کے نام سے، صحیح بخاری کے نکات ومعضلات حل کرنے میں، دنیا بھر کے حدیث کے طالب علموں کی مدد اور رہنمائی کررہا ہے۔ آیندہ صفحات میں اسی ''هدی الساری'' کے ایک نہایت گراں قدر اور معتبر ترین نسخوں میں سے ایک نسخہ کا، کچھ تعارف پیش کیا جائے گا۔ لیکن اس کے تعارف سے پہلے، اس کے جلیل القدر مصنف، حافظ ابن حجر کا مختصر تذکرہ ضروری ہے۔

شیخ الحفاظ والمحدثین، شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن محمود بن احمد بن حجر۔(۵) شعبان ۷۷۳ھ (فروری، مارچ ۱۳۷۲ء) میں دریائے نیل کے ساحل پر مصر کے قدیم علاقہ میں پیدا ہوئے، اگرچہ تاریخ ولادت میں تذکرہ نگاروں اور مورخین کا اختلاف ہے، مگراس پر اتفاق ہے کہ شعبان ۷۷۳ھ میں ولادت ہوئی تھی۔ حافظ کے اجداد اور اہل خاندان علم وفضل کے علاوہ کاروبار اور دولت کی وجہ سے اپنے علاقہ میں ممتاز شمار کیے جاتے تھے۔ حافظ صاحب کے دادا قطب الدین محمد بن محمد بن علی (وفات: ۷۴۱ھ۔ ۱۳۴۰ء) بہت بڑے تاجر تھے، لیکن محدثین وعلماء سے احادیث کی اجازتیں بھی حاصل کی تھیں، (۶) حافظ ابن حجر کے والد علی بن محمد بھی جید عالم تھے، حافظ ابن حجر کے والد کا ایک عالم کی حیثیت سے تذکرہ کیا جاتا ہے، مگر ہدی الساری کے ۸۲۰ھ کے مکتوبہ ایک نسخہ کے آخر میں (جس کا تعارف آیندہ صفحات میں آرہا ہے) شیخ علی بن محمد کو الشیخ الامام سے یاد کیا گیا ہے، جس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ حافظ ابن حجر کے والد محترم جلیل القدر علماء میں سے تھے۔ امام نووی کی کتاب الأذكار پر استدراک بھی لکھا تھا، بہت سے اشعار ان کی یادگار ہیں۔ حافظ کم سن تھے کہ والد محترم کی وفات ہوگئی، والد صاحب نے اپنے ایک دانش مند دوست ابوبکر بن علی بن

احمد زکی الدین خروبی (ولادت: ۷۲۵ھ - ۱۳۲۵ء/ وفات: ۷۸۷ھ - ۱۳۵۸ء) کو جو بعد میں بڑے تاجر اور صاحب دولت وثروت ہوئے، حافظ کا ولی اور سرپرست مقرر کر دیا تھا(۷) انہوں نے اس ذمہ داری کو پورے اہتمام سے انجام دیا اور حافظ کی تعلیم وتربیت میں کوئی کمی باقی نہیں چھوڑی۔

حافظ کے اور اہل خاندان بھی علم کی خوشبو سے معطر تھے، مردوں کے علاوہ خواتین بھی علم و فضل سے مالا مال اور درجۂ کمال پر فائز تھیں، حافظ کی بہن امت اللہ بنت علی بن محمد، عالمہ فاضلہ اور تحریر میں ماہر اور ذکاوت وفطانت میں اپنے عہد میں ممتاز تھیں، دکتور شاکر محمود نے لکھا ہے:

کانت کاتبۃ، اعجوبۃ فی الذکاء ان کی ۷۹۸ھ میں وفات ہوئی۔(۸)

گھر کے عالمانہ ماحول، ہر وقت علم کے چرچوں اور اہل کمال اہل خانہ کی صحبتوں سے حافظ کو علم کے راستوں پر قوت سے قدم جمانے اور اسی راستہ پر مسلسل سفر کرتے رہنے کا شوق ہوا۔ حافظ کو حفظ قرآن مجید، تجوید وقرات، صرف ونحو، اصول وقواعد زبان، لغت، ادب اور علوم عالیہ، تفسیر قرآن کریم، اصول ومتعلقات، روایت حدیث، درایت حدیث، فقہ، اصول فقہ، ہر ایک موضوع کے ایسے استاذ میسر ہوئے کہ ہر ایک اپنے اپنے فن کا امام اور اس دور میں بے مثال تھا۔

حضرت حافظ ابن حجر کو حق تعالیٰ نے علم حدیث کی عالمی فرماں روائی، غیر معمولی اور نہایت وسیع خدمت کے لیے، منتخب وموفق فرمایا تھا، اسی لیے حافظ کی طبیعت میں، وہ تمام صلاحیتیں، بھرپور طریقہ سے رکھ دی گئی تھیں، جو بنیاد اور لازمہ کی حیثیت رکھتی تھیں۔ بے مثال حافظہ، تعلیم اور کمال علمی کے حصول کے لیے جہد مسلسل محدثین اور علمائے کرام سے تعلیم واستفادہ کا بے انتہا جذبہ۔ کتابوں کے پڑھنے، یاد کرنے اور ان کی نقل وتحریر میں ایسی سرعت، جس کو خاص فضل الٰہی ہی کہا جا سکتا ہے۔ ورنہ عموماً اوقات میں نہ ایسی برکت ہوتی ہے، نہ ہی اس درجہ کی بے پناہ بلکہ محیر عقول قوت حافظہ کا عموماً مشاہدہ ہوتا ہے، نہ وقت میں اس قدر وسعت وبرکت ہر ایک کے نصیب میں ہوتی ہے۔

حافظ ابن حجر کو نادر العہد والزمان حافظہ، غیر معمولی قوت اخذ واستنباط اور فہم وذکاوت کی وجہ سے پڑھی اور سنی ہوئی تمام کتابوں کا، بیک وقت ایسا استحضار رہتا تھا، جیسے تمام علوم، جملہ مباحث اور ائمہ و محدثین کی مختلف ومتفق تحقیقات اور تمام اقوال وکلمات، صف باندھے سامنے کھڑے ہوں۔ ان میں سے کس کو کہاں کس طرح استعمال کرنا ہے، اس سے کیا نتائج وفوائد اخذ کرنے ہیں اور کون کون سے

چھوڑ دیتے ہیں، ان سب کا بیک وقت خیال رہتا تھا۔ اُدھر پڑھا، ادھر دماغ میں پیوست ہوا، ادھر کتاب کی تالیف یا نقل کے لیے قلم اٹھایا اور وہ کتاب اور نقل مکمل ہوجاتی تھی۔ جو کام دوسروں سے مہینوں میں ہوتا تھا، وہ حافظ کے قلم سے دنوں میں ہوجاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام تر ایسا عطیۂ ربانی تھا، جس سے کسی کسی کو ہی سرفراز کیا جاتا ہے۔

من جانب اللہ تعالیٰ حافظ کو جو صلاحیتیں، خصائص اور کمالات عطا ہوئے تھے، حافظ ابن حجر نے ان میں سے ہر ایک کا آخری حد تک فائدہ اٹھایا، آغاز جوانی سے زندگی کے آخری ایام تک، ہر ایک دور میں مختلف استادوں سے اخذ واستفادہ کرتے رہے۔

تمام علوم وفنون، اصول نحو وصرف، لغت واشتقاق وغیرہ اور تجوید وقرات، تفسیر، اصول اور ان کے تمام منابع ومتعلقات اور سب سے بڑھ کر روایت حدیث اور حدیث کی تفہیم وتشریح، اس کے متعلقات، صحیح وضعیف، معلل ومنکر، درایت وروایت، نقد وتحلیل، سند ورجال، مشتبہات ومبہمات، ہر عنوان سے حافظ کو اس درجہ بصیرت وگہرائی عطا ہوئی تھی کہ خود حافظ صاحب کے زمانہ میں بھی اس کی نظیر نہیں تھی۔

شیخ ابن حجر کو قرآن کریم حفظ کرنے کے ساتھ یہ اختصاص حاصل ہوا کہ انہوں نے سب سے پہلا قرآن شریف حرم مکی میں سنایا۔ اسی سال پہلی مرتبہ حج کی توفیق ملی۔ قوت حافظہ کا یہ عالم تھا کہ سورۂ مریم ایک دن میں حفظ کی تھی۔

کتابوں کا شوق یوں تھا کہ بعض کتابیں علماء اور جاننے والوں سے عاریت پر اور کچھ کرایہ پر لیتے تھے، مطالعہ کی کثرت اور اہتمام کے علاوہ، علمائے محدثین کی خدمات میں حاضر ہونے، ان سے اخذ واستفادہ کرنے اور تعلیم واجازات کے ہر موقع کو خاص نعمت اور تحفہ سمجھ کر، ہر وقت اس کے لیے متحرک رہتے تھے۔

۷۹۰ھ (۱۳۸۸ء) میں جب ابن حجر کی عمر صرف سترہ سال تھی، قرأت وتجوید اور متعدد علوم کی متوسطات، مختلف استادوں سے پڑھ چکے تھے۔ صحیح بخاری کی سماعت کے علاوہ، ادب اور تاریخ بھی پڑھ رہے تھے۔

انیس سال کی عمر میں اعلیٰ فنون میں مہارت ہوگئی تھی، عربی زبان وادب کی وسیع واقفیت تھی

شعرائے عرب کا بے پناہ استحضار تھا، شعر سنتے ہی کہہ دیتے تھے کہ یہ فلاں کا شعر ہے یا اس شاعر نے یہ خیال فلاں شاعر سے لیا ہے۔

ادب وانشاء اور شعر میں مہارت: حافظ کی ادب سے گہری دلچسپی اور واقفیت کی وجہ سے حافظ کا عربی کے ممتاز لکھنے والوں اور شاعروں میں نام آنے لگا تھا، حافظ نے اپنا کلام بھی مرتب کیا تھا، جو عمدہ، مرتب دیوان کی صورت میں متعارف ہے۔(۹)

حافظ ابن حجر نامور عالم اور محدث یگانہ، علامہ زین الدین عراقی (وفات: ۸۰۶ھ۔ ۱۴۰۳ء) کا دامن پکڑا، ان کی خدمت میں دس سال تک حاضر رہے اور علوم حدیث کے تمام گوشے بہت اہتمام و انہماک سے حاصل کیے۔

حافظ ابن حجر نے حافظ عراقی سے، ان کی اہم تالیف **الفیۃ الحدیث** پڑھی اور اس کی شرح کا سبق لیا، اس کے علاوہ بھی مختلف علوم کی کتابوں اور رسائل کی قرأت وسماعت سے فیض یاب ہوئے۔ نیز عراقی کے علوم قلم بند اور محفوظ کیے۔ علامہ عراقی پہلے جلیل القدر استاد تھے، جنھوں نے حافظ کو علوم خصوصاً حدیث کے درس کی اجازت عطا فرمائی، یہ واقعہ ۷۹۷ھ (۱۳۹۴ء) کا ہے۔

لیکن حافظ نے اس پر اکتفا نہیں کیا، دوسرے محدثین سے مزید تعلیم واجازات کے لیے ۷۹۷ھ (۱۳۹۴ء) میں، علامہ برہان شامی کی خدمت میں پہنچے، اسی سال کے آخر میں اسکندریہ کا سفر کیا، وہاں علامہ شمس الدین ابن الجزری سے ملاقات کی۔ شیخ ابوطاہر سلفی کے آخری شاگرد، شیخ ابوعبداللہ محمد بن احمد، ابن عبدالرزاق شافعی سے احادیث کا سماع کیا، اسی سفر میں اور بھی متعدد علماء اور محدثین سے اجازتیں اور سندیں حاصل کیں اور جن علماء اور محدثین سے استفادہ کیا، ان پر ایک مختصر تالیف: ''الدر المضیۃ من فوائد الاسکندریہ'' کے نام سے مرتب کی۔

اسکندریہ سے واپسی کے بعد شوال ۷۹۹ھ (۱۳۹۶ء) تک مصر میں قیام کیا، وہاں سے حجاز آئے جہاں علمائے فاضلین کی ایک جماعت سے ملاقات ہوئی، جو یمن جانے کا ارادہ کر رہی تھی، جس میں علامہ نجم الدین محمد بن ابی بکر المصری ثم المکی (جو مرجانی کے نام سے مشہور ہیں) بھی شامل تھے، ان سے احادیث پڑھیں۔ اس سفر میں حافظ صلاح الدین خلیل بن محمد الاقفہسی (وفات: ۸۲۰ھ۔ ۱۴۱۷ء)، رضی الدین ابوبکر بن ابی المعالی الزبیدی وغیرہ ان کے رفیق تھے، جس کی وجہ سے اس سفر کی علمی افادیت

بہت بڑھ گئی تھی۔اس طرح یہ سفر حافظ کی حیات کا ایک یادگار اور علم وافادہ سے بھر پور سفر تھا۔اسی سفر میں ینبوع میں حافظ کی اپنے ابتدائی دور کے بعض شاگردوں سے بھی ملاقات ہوئی۔

۸۰۰ھ (۱۳۹۷ء) میں یمن پہنچے، یہاں متعدد شہروں میں محدثین اور علماء سے ملاقاتیں رہیں۔ زبید میں مشہور ماہر لغت، علامہ مجد الدین فیروز آبادی، صاحب قاموس سے ملاقات ہوئی، ان کی مجلس میں کئی کتابیں، خصوصاً قاموس کا نصف ثانی پڑھا۔

یمن کے حاکم الملک الاشرف اسماعیل غسانی (وفات: ۸۰۳ھ۔۱۴۰۰ء) نے، شیخ ابن حجر کی بے حد پذیرائی کی، ان سے احادیث سنیں اور شیخ کو گراں بہا تحفوں سے نوازا۔حافظ نے بھی ان کو تاریخ ادب اور عربی شعراء کے ایک بڑے انتخاب پر مرتب اپنی سب سے اہم تصنیف: **مسامر الساهر و مساهر السامر** کا تحفہ دیا۔ یہ نسخہ حافظ کے اپنے قلم سے لکھا ہوا تھا۔(۱۰) حاکم یمن نے ان کے حرمین شریفین کے سفر کا عمدہ انتظام کیا، بہترین سواریوں اور ساز وسامان کے ساتھ شیخ کو یمن سے رخصت کیا۔ شیخ ایک بڑے قافلہ اور خاص اعزاز کے ساتھ مکہ مکرمہ پہنچے، حج کی دولت سے سرفراز ہوئے اور حرمین شریفین کی حاضری کے ساتھ ساتھ حرمین میں مقیم، اکابر محدثین اور علمائے کرام کی ملاقاتوں اور تعلیم واستفادہ سے بھی مالا مال ہوگئے۔اگرچہ شیخ اس سے پہلے نوعمری میں حج کی سعادت حاصل کر چکے تھے، مگر بلوغ کے بعد، یہ پہلی زیارت تھی۔

حافظ ابن حجر نے ۸۰۲ھ (۱۳۹۹ء) میں دمشق کا سفر کیا، تقریباً تین مہینے یا سو دنوں تک، دمشق میں قیام رہا، یہ سفر بھی یادگار اور ناقابل فراموش سفر تھا جس میں انہوں نے حدیث تفسیر اور فقہ کی بیسیوں معروف وممتاز کتابوں کے علاوہ وہاں کے علماء کی تقریباً سو جلدیں سبقاً سبقاً پڑھیں اور سنیں (۱۱) اور ان علماء سے اجازتیں بھی حاصل کیں، اسی قیام میں تقریباً دس جلدیں، نقل اور تصنیف بھی فرمائیں۔

حافظ، شعبان ۸۰۲ھ (۱۳۹۹ء) میں اس سفر کے لیے نکلے تھے، اس سفر میں سریاقوس، قطنی، غزہ، نابلس، رملہ، بیت المقدس، الخلیل، دمشق، صالحیہ وغیرہ جانا ہوا، (۱۲) ان کے علاوہ بھی کئی چھوٹے بڑے مقامات کا سفر کیا۔

کئی سال بعد ۸۳۶ھ (۱۳۳۶ء) میں، حلب کا سفر کیا، جس میں ان کو علماء اور محدثین کی صحبتوں میں جو علمی نکات اور افادات وعلوم حاصل ہوئے، ان کو ایک مختصر تالیف: **جلب حلب** میں

قلم بند کیا۔

حافظ ابن حجر کے اساتذہ کا امتیاز: حافظ ابن حجر کو اوائل تعلیم سے ایسے استاد نصیب ہوئے، جو ہر ایک کو نہیں ملتے۔ حافظ ابن حجر کو جن علوم و فنون میں مہارت، درجۂ کمال، بلکہ مقام امامت حاصل ہے، ان میں حافظ کے اکثر اساتذہ بھی، اپنی اپنی جگہ بے نظیر بلکہ اپنے دور اور بعد کے علماء میں بھی درجۂ اختصاص پر فائز تھے۔ ان نامور اساتذہ کی توجہ اور خود حافظ صاحب کے شوق استفادہ نے ان کو اس بلند مقام تک پہنچا دیا کہ کلمہ اعتراف بلند ہوا۔

"انه ما رأی مثله و لا رأی هو مثل نفسه و انه ما دخل الیٰ دمشق بعد ابن عساکر اجل منه و لا مثله"۔ (۱۳)

حافظ ابن حجر کے چند خاص استاذ: تمام علمی خاندانوں، بلکہ مسلمانوں کے عمومی مزاج اور ترتیب کے مطابق، حافظ ابن حجر نے سب سے پہلے قرآن کریم پڑھا، حفظ کیا اور کم سنی میں (بلوغت سے پہلے) حرم مکہ میں رمضان المبارک میں قرآن مجید سنانے کی سعادت حاصل کی۔

پانچ سال کی عمر میں مکتب میں داخل کیے گئے، مکتب میں جن سے پڑھا، ان میں شمس الدین علاف شامل تھے۔(۱۴) حفظ قرآن کریم کی تکمیل، صدرالدین محمد بن محمد بن عبدالرزاق السفطی سے کی، پانچ سال کی عمر میں حفظ قرآن سے فارغ ہو گئے۔

مصر میں (۷۵-۱۳۷۴ء) میں عمدة الاحکام، مقدسی (۱۵) اور حاوی صغیر قزوینی (۱۶) پڑھیں، اصول میں مختصر ابن الحاجب، حریری کی **ملحة الاعراب**، بیضاوی کی **منهج الاصول**، عراقی کی **الفیه**، ابن مالک کی **الفیه** اور شیرازی کی مسائل فروعیہ میں **التنبیه** پڑھی۔

۱۳۸۳ء میں مسند حجاز، عفیف الدین، عبداللہ النشاوری (وفات: ۷۹۰ھ۔۱۳۸۸ء) سے بخاری شریف پڑھی۔ حافظ نے لکھا کہ:

"وهو اول شیخ، سمعت علیه الحدیث المسند فیما اتصل بعلمی، و هو خاتمة أصحاب الرضی الطبری بالسماع"۔ (۱۷)

دوسری مرتبہ صحیح بخاری نجم الدین، ابی محمد، عبدالرحیم بن رزین بن غالب سے جمال بن ظہیرہ کی قرأت سے (۱۳۸۴ء) میں سنی۔ ایک اور درس ابی الفرج عبدالرحمان بن احمد بن مبارک غزی (وفات

۷۹۹ھ۔۱۳۹۶ء) سے لیا۔(۱۸)

پہلے شعر وادب اور تاریخ میں وقت کے مشہور شاعر بدرالدین البشتکی (وفات ۸۳۵ھ۔ ۳۲-۱۴۳۱ء) کے علم اور کتب خانہ سے فائدہ اٹھاتے رہے۔(۱۹)

امتحان وابتلاء کا ایک دور: گزر چکا ہے کہ حافظ کم سن تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہوگیا، ان کے والد کے دوست اور تاجر بلکہ رئیس التجار، زکی خروبی کو ولی اور سر پرست ہوئے، جب تک وہ زندہ رہے، حافظ کامل یکسوئی اور انہاک سے تعلیم ومطالعہ میں مشغول رہے۔ ۷۸۷ھ (۱۳۸۵ء) میں شیخ خروبی بھی سفر آخرت پر روانہ ہوگئے، جو حافظ کی زندگی کا ایک بڑا حادثہ اور نازک موڑ تھا، اندیشہ تھا کہ یہ حادثہ اور معاش کی مجبوری حافظ کو تجارت کی راہ پر نہ ڈال دے، اس لیے اگرچہ شیخ خروبی کی وفات نے حافظ کی زندگی کو کچھ عرصہ پریشان رکھا، وہ تجارت میں مشغول بھی رہے، مگر اللہ کی مدد شامل حال ہوئی اور حافظ جلد ہی اس پریشانی سے نکل آئے۔

خدمت حدیث کا ارادہ اور اس پر عمل: حافظ نے علوم عالیہ دینیہ میں کمال حاصل کرلیا تھا اور وہ چاہتے تو اس غیر معمولی صلاحیت کو دنیوی مال ودولت اور ارباب واقتدار کی قربت کے لیے استعمال کرسکتے تھے۔

انہوں نے اپنی علمی صلاحیتوں کو خدمت حدیث کے لیے وقف کرنے کا بڑا فیصلہ کرلیا تھا۔ حافظ نے حدیث شریف کی تعلیم کا اہتمام ۷۹۳ھ (۱۳۹۰ء) سے شروع کیا، تین سال کے بعد ۷۹۶ھ (۹۴-۱۳۹۳ء) سے اس کے لیے بالکل وقف ہوگئے۔

ان کے جید اساتذہ میں پہلا نام علامہ زین الدین عراقی (وفات ۸۰۶ھ۔ ۴-۱۴۰۳ء) کا ہے۔ حافظ نے، دس سال علامہ عراقی کی خدمت میں گزارے، حافظ نے علامہ عراقی کے درس میں جو چھوٹی بڑی کتابیں اور اجزاء حدیثیہ پڑھے، ان کی تفصیل اپنی کتاب **المعجم الموسس للمعجم المفھرس** میں تحریر فرمائی ہے۔(۲۰)

آخری زمانۂ حیات میں جب علامہ عراقی سے اس وقت موجود حفاظ حدیث کے متعلق دریافت کیا گیا، تو انہوں نے حفاظ حدیث کے جو نام شمار کرائے، ان میں سب سے اول نام حافظ ابن حجر کا تھا۔ حافظ نے **انباء الغمر في ابناء الغمر** میں لکھا ہے:

"سئل عند موته، عمن بقی بعده من الحفاظ، فبدأبی" (۲۱)

علامہ عراقی پہلے استاد ہیں، جنہوں نے حافظ کو درس حدیث کی اجازت سے نوازا، حافظ کو یہ سعادت ۷۹۷ھ (۹۵-۱۳۹۴ء) میں عطا ہوئی تھی۔

حافظ کے اساتذہ کی فہرست بہت لمبی ہے، حافظ نے اپنے مجموعہ مشیخات واجازات: المجمع المؤسس للمعجم المفہرس کی قسم اول میں تین سو چھیاسٹھ استادوں کے نام شمار کرائے ہیں، یہ استادوہ ہیں، جن کی صحبت سے حافظ منور و معطر ہوئے، ان کی صحبت سے فیض اٹھایا اور ان کے حلقہ ہائے درس میں حاضر ہوکر قرأت وسماعت کی مسرت وسعادت حاصل کی یا ان کی اجازت اور سلسلۂ روایت کی وابستگی سے اپنے طرۂ کمال کی زیبائش وبلندی میں اضافہ کیا۔

حافظ کے جملہ اساتذہ کا مختصر تعارف، بلکہ نام شمار کرانا بھی یہاں ممکن نہیں، لیکن ایسے استاد جن کا حافظ کی زندگی، سیرت وکردار، علم کی پختگی اور سلسلۂ اجازت وروایت پر وسیع اور گہرا اثر ہوا، ان کو نظر انداز کرنا درست نہ ہوگا، اس لیے آیندہ صفحات میں ہر اک فن کے چند خاص استادوں کے صرف نام ذکر کیے جاتے ہیں۔

(الف) شیوخ قرأت: ۱۔التنوخی: شیخ ابراہیم بن احمد بن عبدالواحد بن عبدالمومن، التنوخی، الشیخ برہان الدین الشامی (۷۰۹ھ-۱۳۰۹ء-۸۱۰ھ-۱۴۰۷ء) حافظ نے ان سے قرأت سبعہ میں سورۂ فاتحہ سے سورۂ بقرہ مفلحون تک پڑھی۔

۲۔الجزری: شیخ محمد بن محمد بن محمد الدمشقی الجزری (۷۵۱ھ-۱۳۵۰ء-۸۳۳ھ-۳۰-۱۴۲۹ء) شیخ القرأت شیخ جزری نے اپنی گراں مایہ تالیف حصن حصین کی اجازت سے بھی نوازا۔(۲۲)

(ب) شیوخ حدیث: حافظ کے اساتذۂ حدیث کی طویل فہرست میں چند ممتاز اساتذہ کے نام، اس سلسلۃ الذہب کی قیمت ومعنویت کے اندازہ کے لیے تحریر ہیں۔

(الف) حافظ العصر عراقی: عبدالرحیم بن الحسین بن عبدالرحمن المہرانی المولد، عراقی الاصل، الکردی۔الشیخ زین الدین العراقی، ولادت: ۲۱/ جمادی الاولیٰ ۷۲۵ھ (اپریل ۱۳۲۵ء) وفات: ۸/ شعبان ۸۰۶ھ۔(۱۴۰۴ء)۔(۲۳)

(ب) حافظ ہیثمی: علی بن ابی بکر بن سفیان، الہیثمی۔الشیخ نورالدین، ابوالحسن الشافعی۔

ولادت: رجب ۷۳۵ھ (۱۳۳۴ء) بالقاہرۃ۔ وفات: ۱۹؍رمضان ۸۰۷ھ (۱۴۰۵ء)۔(۲۴)

(ج) البالسی: محمد بن محمد بن محمد بن القدوہ البالسی الصالحی، الشیخ المسند الکبیر، بدرالدین ابی عبداللہ ولادت: ۹؍جمادی الاولیٰ ۷۲۱ھ (جون ۱۴۲۱ء) وفات شعبان ۸۰۳ھ (مارچ ۱۴۰۱ء)۔(۲۵)

(د) ابن الصائغ: علی بن محمد بن محمد بن ابی المجد، الدمشقی۔ ولادت: ربیع الاول ۷۰۷ھ (اگست ۱۳۰۷ء) وفات: ۵؍ربیع الآخر ۸۰۰ھ (دسمبر ۱۳۹۸ء)۔(۲۶)

(ہ) فاطمہ بنت المنجا التنوخیہ: فاطمہ بنت محمد بن احمد بن محمد بن عثمان بن المنجا۔ **ام الحسن الدمشقیہ** ولادت: ۷۱۲ھ (۱۳۱۲ء) وفات، تقریباً نوے سال کی عمر میں، ربیع الاخر، ۸۰۳ھ (۱۴۰۰ء)۔(۲۷)

(۶) فاطمہ المقدسیہ: فاطمہ بنت محمد بن عبدالہادی، المقدسیۃ ثم الصالحیۃ، ام یوسف الحنبلیہ ولادت: ۷۱۹ھ (۱۳۱۹ء) وفات: ۸۰۳ھ (۱۴۰۰ء)۔(۲۸)

دکتور شاکر محمود عبدالمنعم نے جن اساتذہ کی فہرست دی ہے، وہ درج بالا ترتیب سے کسی قدر مختلف ہے، انہوں نے حافظ کے اساتذۂ حدیث میں سب سے پہلے، شیخ عبداللہ بن محمد بن محمد النیشا بوری المعروف بالنشاوری(۲۹) ولادت: ۷۰۵ (۱۳۰۵ء) وفات: ۷۹۰ھ (۱۳۸۸ء) کا ذکر کیا ہے، اس کے بعد محمد بن عبداللہ بن ظہیرہ المخزومی، (۳۰) المکی جمال الدین ۷۵۱ھ۔ (۱۳۵۰ء) ۸۱۷ھ۔ (۱۴۱۴ء) کا، مگر تغلیق التعلیق کے مرتب ومحقق (شیخ عبدالرحمن موسیٰ القزفی) نے حافظ ہیثمی اور عراقی کے علاوہ، جن بڑے استادوں کے نام شمار کرائے ہیں، اس میں ان کا ذکر نہیں کیا ہے۔

بہ ظاہر یہ صرف طریقۂ انتخاب کا اختلاف ہے۔ شیخ نشاوری اور حافظ جمال مکی کا، بلاشبہ حافظ کے اہم استادوں میں شمار ہے۔

اساتذۂ فقہ: فقہ میں مہارت وکمال کے لیے حدیث کی وسیع واقفیت اور گہری نظر ضروری ہے، ضروری تھا کہ حافظ فقہ میں بھی بصیرت وکمال حاصل کریں۔ علم فقہ بھی ایسے ممتاز استادوں سے حاصل کیا، جو اس فن کے امام تھے۔ مذاہب اربعہ، نیز غیر متداول اور غیر معروف مسالک فقہ کی وسیع واقفیت کے علاوہ، فقہ شافعی میں ممارست اور امتیاز حاصل کیا، فقہ میں حافظ کے چند اساتذہ کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱۔ البلقینی: علامہ سراج الدین البلقینی ولادت: ۱۲؍رمضان ۷۲۴ھ (ستمبر ۱۳۲۴ء)

وفات: ۱۰/ذی قعدہ ۸۰۵ھ (جون ۱۴۰۳ء)۔(۳۱)

۲۔علامہ ابن الملقن: عمر بن علی بن احمد بن محمد الانصاری، الاندلسی، الاصل، نزیل قاہرہ، سراج الدین ابن الملقن (ولادت: ربیع الاول ۷۲۳ھ۔ ۱۳۲۲ / وفات: ربیع الاول ۸۰۴ھ۔ ۱۴۰۱ء)۔(۳۲)

علامہ ابن الملقن حافظ ابن حجر کے قدرداں اور معترف تھے۔انہوں نے اپنی کتاب: **غایة السول في خصائص الرسول** (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں حافظ کی تالیف: **کتاب الصبر** کے حوالہ سے ایک روایت بھی نقل کی ہے۔لکھا ہے:

قلت و فی آخر کتاب الصبر [یعنی الحافظ] بخطه مانصه۔۔(۳۳)

یعنی حافظ ابن حجر کی تالیف **کتاب الصبر** کا نسخہ علامہ ابن الملقن کے پاس تھا اور وہ اپنے ایک کم عمر شاگرد کی تصنیف کو اس مرتبہ کا سمجھتے تھے کہ اس سے اخذ و استدلال کرتے تھے۔

(۳) الابناسی: ابراہیم بن موسیٰ بن ایوب بن الابناسی، برہان الدین، ابومحمد، نزیل قاہرہ۔ (ولادت: شوال ۷۲۵ھ۔ ۲۵-۱۳۲۴ء وفات: محرم الحرام ۸۰۲ھ۔ ۱۳۹۹ء)

استاذ اصول: حافظ نے اصول فقہ کی مختلف کتابیں جن استادوں سے پڑھیں، ان میں سب سے ممتاز اور ماہر فن شخصیت، علامہ عزالدین بن جماعہ، محمد بن ابی بکر، عبدالعزیز الشافعی (۳۴) (ولادت: ۷۴۹ھ/ ۱۳۴۸ء۔وفات: ربیع الآخر ۸۱۹ھ/ ۱۴۱۶ء) کی تھی۔

اساتذۂ عربیت: حدیث ہو یا فقہ، تفسیر، تاریخ و ادب ہو یا اور اسلامی، دینی، علمی، عقلی موضوعات و مباحث۔عربی زبان اور ادب و لغت میں مہارت کے بغیر کاملیت کا حصول ممکن نہیں۔حافظ کو اس دولت کے حصول کے لیے بہترین اساتذہ ملے اور وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔الغماری: محمد بن محمد بن علی، بن عبدالرزاق، الغماری، المصری، المالکی ولادت: ۷۲۰ھ۔ (۱۳۲۰ء) وفات: ۸۰۲ھ۔(۱-۱۴۰۰ء) جو شواہد و لغات کے استحضار میں بے نظیر تھے، قرأت کا درس دیتے تھے اور قرأت کے آخری بڑے ائمہ میں شمار کیے جاتے تھے، کلام عرب کا بڑا حصہ نوک زبان پر تھا۔ادب فنون میں خاص اور متعلقہ مرتبہ کے علاوہ، اپنے دور میں قرأت کے درس میں بھی نادر و ممتاز تھے، الغماری کو فن قرأت کا گویا خاتم کہا جاتا تھا۔

۲۔البشتکی: محمد بن ابراہیم بن محمد البشتکی ولادت: ۷۸۴ھ۔(۱۳۸۲ء)وفات: ۸۳۰ھ۔ (۲۷-۱۴۲۶ء) اکثر علوم وفنون میں بڑا درجہ رکھتے تھے،شعروادب اورعروض میں وسیع نظر تھی۔حافظ ابن حجر نے کئی سال علامہ بشتکی کی صحبت میں بسر کیے۔دلچسپ یہ ہے کہ یہ علامہ بشتکی، جوحافظ کے خاص اور بہترین استادوں میں سے تھے،حافظ کے شاگرد بھی ہوئے۔جب حافظ کی حدیث کی مہارت کا دنیا میں غلغلہ برپا ہوا،اس وقت بشتکی نے حافظ سے حدیث پڑی،اس طرح وہ حافظ کے خاص استاد بھی ہیں اور خاص شاگرد بھی ہیں۔

۳۔فیروز آبادی: محمد بن یعقوب بن محمد بن ابراہیم بن عمر مجدالدین،ابوطاہر،الفیروزآبادی، ولادت: ۷۲۹ھ۔(۱۳۲۹ء) وفات: ۸۱۷ھ (۱۴۱۴ء) علامہ لغوی،مصنف قاموس،مجدالدین فیروزآبادی کا لغت میں امتیاز،فیروزآبادی کی زندگی میں بھی شہرۂ آفاق تھا۔اسی شہرت کی وجہ سے حافظ ان کی خدمت میں پہنچے اوران کے کمال علمی سے منورو مستفیض ہوئے۔حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

> "اجتمعت به فی زبید وفی وادی الخصیب وناولنی جلّ القاموس وأذن لی مع المناولة أن أرویه عنه، وقرأت علیه من حدیثه عدة أجزاء، وسمعت منه المسلسل بالأولیة بسماعه من السبکی، وکتب لی تقریظا علی بعض تخریجاتی أبلغ فیه، وأنشدنی لنفسه فی سنة ثمانی مائة بزبید"۔(۳۵)

حافظ نے ان کے علاوہ اور بھی متعدد علماء فضلاء کے علوم سے فائدہ اٹھایا،ان کی مجالس درس میں حاضر ہوئے،ان کے کمالات کے سمندر کو اپنے اندر سمونے کی پرزور اورنہایت کامیاب کوشش فرمائی۔یہ استاذ ایسے جامع فنون اور متبحر تھے کہ ان کے فضل وکمال کا عَلَم،عِلْم کی ہر ایک وادی پرلہراتا تھا اور ہر اک پرچم کی بلندی اوررنگ وآہنگ،ایک سے بڑھ کر ایک تھا۔ان کی اسی جامعیت اور ہر ایک فن میں مہارت واختصاص کی وجہ سے،تذکرہ نگار اور مورخین،ایسے حضرات وعلماء کا تذکرہ،مختلف عنوانات کے تحت کرتے رہتے ہیں،کسی کا تذکرہ محدثین میں،کسی کا مفسرین میں،کسی کا مورخین میں،کسی کا اہل ادب ولغت میں اورکسی کا اورعنوان وموضوع کے تحت ہوتا رہتا ہے،ایسے انتخاب و ترتیب میں اختلاف ایک فطری بات ہے،جوان حضرات کے علوے مرتبت اورکمال علم کو واضح کرتا

ہے، مورخین کے فکری اختلاف سے، اس کا اکثر تعلق نہیں ہوتا۔

(باقی)

حواشی

(۱) اعلام السنن کے متعدد قلمی نسخوں کا کارل بروکلمان اور فواد سزگین نے تذکرہ کیا ہے۔ ملاحظہ ہوں:

(۱) تاریخ الادب العربی، کارل بروکلمان، عربی ترجمہ عبدالحلیم النجار، ص:۱۶۷، ج:۳ (الطبعة الرابعة دار المعارف، القاھرہ)

(۲) تاریخ التراث العربی فواد سزگین۔ نقلہ الی العربیہ، دکتور محمود فہمی حجازی، دکتور فہمی ابوالفضل ص:۱۷۷، المجلد الاول۔ الھیئة المصریة العامہ للکتاب، القاھرہ: ۱۹۷۷ء۔ طبع جامعة الامام محمد بن سعود، الاسلامیہ (الریاض) (۱۴۰۳ھ۔ ۱۹۸۳ء) ص:۲۲۹۔ الجزء الاول، المجلد الاول۔

(۲) صحیح بخاری کی شروحات اور متعلقہ عنوانات ومباحث پر عصام عرار الحسینی کی پُراز معلومات تصنیف (اتحاف القاری بمعرفة جهود واعمال العلماء علی صحیح البخاری دار الیمامہ دمشق ۱۴۰۷ھ۔ ۱۹۸۷ء) اور اردو میں شروحات صحیح بخاری کے تعارف پر مرتب مقالہ (شروح صحیح بخاری از غزالہ حامد۔ لاہور: ۱۹۹۱ء) سے، ہندو پاکستان میں صحیح بخاری کی شروحات اور اس کے متعلقات پر لکھی گئی دوسو سے زائد کتابوں کا علم ہوتا ہے، لیکن ہر دن نئے نئے علمی ذرائع، اہم کتابیں اور معلومات سامنے آرہی ہیں جس کی روشنی میں ان دونوں پر مکمل نظر ثانی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، کیا ہی اچھا ہو اگر دونوں کو، نئی معلومات کے اضافوں کے ساتھ شائع کیا جائے۔ (۳) الفوائد الدراری فی ترجمة الامام البخاری تحقیق نور الدین طالب دار النوادر کویت، ۱۴۳۱ھ۔ ۲۰۱۰ء، ص: ۱۷۸۔ (۴) جس میں علماء ہند، خصوصاً حضرت شاہ ولی اللہ (احمد بن عبدالرحیم الرہتکی الدہلوی) ولادت: ۱۱۱۴ھ (۱۷۰۲ء) وفات: ۱۱۷۶ھ۔ (۱۷۶۲ء) حضرت شاہ عبدالعزیز ولادت: ۱۱۵۹ھ۔ (۱۷۵۱ء) وفات: ۱۲۳۹ھ۔ (۱۸۲۴ء) مولانا الشیخ رشید احمد بن ہدایت احمد الجنجوہی، ولادت: ۱۲۴۴ھ (۱۸۳۷ء) وفات: ۱۳۲۳ھ (۱۹۰۵ء) شیخ الہند مولانا محمود حسن الدیوبندی شیخ الحدیث وصدر المدرسین بدار العلوم دیوبند ولادت: ۱۲۶۸ھ (۱۸۵۱ء) وفات: ۱۳۲۹ھ (۱۹۲۰ء) علامہ محمد انور شاہ کشمیری ولادت: ۲۷/شوال ۱۲۹۲ھ۔ (۱۶/اکتوبر ۱۸۷۵ء)۔ وفات: ۲/صفر ۱۳۵۲ھ۔ (۱۹۳۳ء) اور شیخ محمد زکریا بن العلامة الشیخ محمد یحییٰ الکاندھلوی شیخ الحدیث، بمدرسة مظاہر علوم السہارنفور ولادت: ۱۳۱۵ھ (۱۸۹۸ء) وفات: رجب ۱۴۰۲ھ (۱۹۸۲ء) وغیرہم صحیح

بخاری کے مباحث پر وسیع نظر، غیر معمولی فہم گہرائی اور اخذ و مطالب میں بے نظیر اور ممتاز ہیں۔ خصوصاً تراجم ابواب میں پنہاں خاص اشارات اور صحیح بخاری کے مقاصد کی تعیین اور اس کی خصوصیات و امتیازات کی تعبیر میں ائمہ متقدمین سے فائق معلوم ہوتے ہیں۔ بفضل اللہ تعالیٰ یہ روایات ابھی زندہ و تابندہ ہیں، جن سے امید ہے کہ عنقریب ان مباحث کے متعدد نئے پہلو اور عنوانات سامنے آئیں گے اور پرانے مباحث کی معنویت اور توضیح و ترتیب میں ایک خاص اضافہ ہوگا۔ ان شاء اللہ! (۵) حافظ ابن حجر کے نسب میں ناموں کی صحیح ترتیب اور ان کے متعلقات پر دکتور شاکر محمود عبدالمنعم نے مفصل بحث کی ہے۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: **ابن حجر العسقلانی مصنفاته و دراسة فی منهجه و موارده فی کتابه الاصابه** ص: ۴۶ تا ص: ۵۰ جلد: ۱ (مؤسسۃ الرسالۃ بیروت: ۱۴۲۴ھ)۔ (۶) دکتور شاکر محمود عبدالمنعم ۱ / ۵۱ و مقدمہ تغلیق التعلیق ۱ / ۵۷۔ (۷) ابوبکر بن علی بن احمد زکی الدین خروبی، ولادت: ۷۲۵ھ۔ ۱۳۲۵ء۔ وفات: ۷۸۷ھ۔ ۱۳۸۵ء مصر کے رئیس التجار اور بہت سخی و فیاض تھے۔ کئی بار حج کی سعادت سے مشرف ہوئے، مکہ میں قیام بھی کیا، اس دوران قرآن پاک حفظ کیا اور تجوید کی تعلیم حاصل کی۔ (مقدمہ تغلیق التعلیق ص: ۷۹)۔ (۸) شاکر محمود عبدالمنعم ص: ۶۴ / ج: ۱۔ (۹) حافظ ابن حجر کے دیوان کا ایک خوش خط نسخہ، جو حافظ کے قریبی دور میں نقل ہوا تھا، ہمارے خاندان کے علمی خزانہ میں موجود تھا، میں نے دیکھا تھا بعد میں فروخت ہوگیا، اب معلوم نہیں کہاں ہے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ دیوان حافظ ابن حجر، سب سے پہلے ہندوستان سے شائع ہوا تھا۔ (۱۰) اس کتاب کی بیس جلدیں، علامہ سخاوی نے مکہ مکرمہ میں دیکھی تھیں۔ شاکر محمود عبدالمنعم، حاشیہ ص: ۸۱، ج: ۱۔ (۱۱) مقدمہ **تغلیق التعلیق**، **سعید عبدالرحمن موسی القزفی** ص: ۱۰۳، جلد اول (**المکتب الاسلامی**، دمشق ۱۴۰۵ھ۔ ۱۹۸۵ء) دکتور محمود شاکر عبدالمنعم نے ان میں سے کچھ ایسی کتابوں کے نام بھی نقل کیے ہیں، یہ کتابیں وہ ہیں، جو دو چار یا اس سے بھی زائد جلدوں پر مشتمل ہیں، فن حدیث سے دلچسپی رکھنے والے، ان کی ضخامت، صفحات اور معنویت سے اچھی طرح واقف ہیں۔ ان میں طبرانی کی **المعجم الاوسط**، ابن مندہ کی **کتاب المعرفة** دارقطنی کی سنن، **صحیح ابن خزیمه**، **صحیح ابن حبان**، **المختاره ضیاء مقدسی**، **الاستیعاب فی معرفة الاصحاب لابن عبدالبر** شامل تھیں۔ ملاحظہ ہو: **ابن حجر العسقلانی، مصنفاته و دراسة فی منهجه و موارده فی کتابه الاصابه** ص: ۸۵۔ ۶، ج: ۱ (مؤسسۃ الرسالۃ ۱۴۲۴ھ۔ ۲۰۰۳ء)۔ (۱۲) ان مقامات کا تعارف اور جغرافیائی محل وقوع جاننے کے لئے ملاحظہ ہو: مقدمہ **تغلیق التعلیق**، حاشیہ ص: ۱۰۰، جلد: ۱۔ (۱۳) عنوان الزمان ص: ۹۶ / ج ۱، بحوالہ مقدمہ تغلیق التعلیق ص: ۱۶۹۔ ج: ۱۔ (۱۴) شاکر محمود ص: ۵۴ / ۱۔ (۱۵) **عمدة الاحکام فی معالم الحلال**

والحرام حافظ تقی الدین، ابومحمد عبدالغنی بن عبدالواحد، الجماعیلی، المقدسی، ثم الدمشقی، المتوفی بالقاهرة ۶۰۰ھ/ (۴-۱۲۰۳ء)۔ المجمع المؤسس المعجم المفهرس، للحافظ ص: ۱۲۲/ ا تحقیق محمد شکّور أمریر المیادینی (مؤسسۃ الرسالۃ بیروت: ۱۴۱۷ھ۔ ۱۹۹۶ء) شاکر محمود عبدالمنعم ص:۵۶/۱۔حافظ نے یہ کتاب ابن سکر حنفی (احمد بن علی بن محمد بن علی بن سکر السکری الغضائری) المتوفی ۸۸۶ھ (۱۴۸۱ء) سے پڑھی تھی۔ المعجم المفہرس،ص:۲۲-۱۲۱۔(۱۶) فی الفقه الشافعی تالیف نجم الدین، عبدالغفار القزوینی الشافعی، المتوفی ۶۹۵ھ (۶۱-۱۲۶۰ء)۔ (۱۷) المجمع المؤسس ۱/ ۲۲۳۔ (۱۸) حافظ ابن حجر انباء الغمر میں ۷۹۹ھ کی وفیات میں لکھتے ہیں: ”کان بینه وبین أبی مودة وصحبة فکان یزورنا بعد موت أبی وأنا صغیر، ثم اجتمعت به لما طلبت الحدیث فأکرمنی، وکان یدیم الصبر لی علی القراءة إلی أن أخذت عنه أکثر مروياته“ ۳/ ۳۷۴ (دائرۃ المعارف حیدرآباد ۱۳۶۹ھ ۱۹۴۹ء)۔ (۱۹) مقدمہ تغلیق التعلیق ۱/ ۵۹، نیز محمود شاکر ۱/ ۸۰۱۔ (۲۰) المجمع المؤسس ص: ۲۵۴ تا ۲۷۴۔جلد اول (مؤسسۃ الرسالۃ بیروت:) (۲۱) انباء الغمر ص:۱۷۲/ ج:۵ (دائرۃ المعارف، حیدرآباد: ہند۔ ۱۳۹۲ھ- ۱۹۷۲ء)۔ (۲۲) مقدمہ تغلیق التعلیق ص:۱۰۶-۱۰۷ تحقیق سید عبدالرحمان موسیٰ القزفی اور شاکر محمود عبدالمنعم ص:۹۵-۹۶ دونوں محققین نے ان اساتذہ کا مختصر اور جامع تعارف کرایا ہے۔ القزفی نے التنوخی کا اور شاکر محمود نے دونوں کا، ان کے علاوہ بھی اکثر اساتذہ کا جامع فاضلانہ تعارف، اپنے اپنے موقعوں پر کیا ہے۔ (۲۳) مقدمہ تغلیق التعلیق ص: ۱۳۶ تا ص: ۱۴۱ جلد: ۱۔ (۲۴) شاکر محمود عبدالمنعم ص:۹۷، جلد: ۱، ابن حجر نے انباء الغمر میں شیخ عراقی سے اپنے استفادہ کا اس طرح تذکرہ کیا ہے:

> ”لازمت شیخنا عشر سنین تخلل فی أثناءها رحلاتی إلی الشام وغیرها قرأت علیه کثیراً من المسانید والأجزاء، وبحثت علیه شرحه علی منظومته وغیر ذلک، وشهد لی بالحفظ فی کثیر من المواطن، وکتب لی ذلک مراراً، وسئل عند موته عمن بقی بعده من الحفاظ، فبدأبی وماثنی بولده“۔ انباء الغمر ۵/ ۱۷۲۔

(۲۵) المجمع المؤسس، ص: ۲۸۸، مقدمہ تغلیق التعلیق ص: ۱۴۱، تا ص: ۱۴۳ جلد: ۱۔ شاکر محمود ص: ۹۷، ۹۸ جلد: ۱، حافظ نے علامہ ہیثمی سے اپنے تلمذ واستفادہ کا، المعجم الموسس کے علاوہ اور کتابوں میں بھی تذکرہ کیا ہے۔ مثلاً انباء الغمر میں ہے:

> ”وکان یودنی کثیرا ویشهد لی بالتقدم فی الفنّ جزاه الله عنی خیراً، وکنت قد

تتبعت أوهامه فی کتابه ”مجمع الزوائد“ فبلغنی أنّ ذلک شقّ علیه فترکته رعایةً له“۔ انباء الغمر ۵/۲۶۰۔

(۲۶) مقدمہ تغلیق، ص: ۱۴۳ تا ص: ۱۴۵ جلد: ۱۔ شاکر محمود عبدالمنعم نے حافظ کے ممتاز اساتذۂ حدیث کے تحت، البالسی کا ذکر نہیں کیا۔ (۲۷) مقدمہ تغلیق ص: ۱۴۵ تا ص: ۱۴۷، جلد: ۱۔ حافظ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

”وقد قرأت علیه أکثر مسموعاته وسمعت علیه الصحیح ووصلت علیه بالإجازة شیئا کثیرا“ إنباء الغمر ۳/۴۰۸۔ (دائرۃ المعارف، حیدرآباد۔ ۱۳۸۹ھ۔ ۱۹۶۹ء)۔

(۲۸) المجمع المؤسس ص: ۳۳۔ مقدمہ تغلیق التعلیق ۱۴۷، جلد: ۱۔ (۲۹) المجمع المؤسس للمعجم المفهرس ص: ۳۳۰ مقدمہ تغلیق التعلیق ص: ۱۴۹، تا ۱۵۳۔ (۳۰) تفصیلی تعارف کے لیے ملاحظہ کیجیے: انباء الغمر لابن حجر ۲/۲۰۰ (دائرۃ المعارف، حیدرآباد: ۱۴۱۶ھ۔ ۱۹۹۵ء)۔ (۳۱) حافظ نے المخزومی سے حدیث کی سماعت واجازت کا ان الفاظ میں تذکرہ کیا ہے:

”وقد سمعت منه وحدثنی من لفظه وهو أول حدیث سمعت بقراءته بمصر فی سنة ست وثمانین“ انباء الغمر (۷۸۶)/۷/۱۵۷۔ (دائرۃ المعارف: حیدرآباد: ۱۳۹۴ھ۔ ۱۹۷۴ء)۔

(۳۲) المجمع المؤسس ص: ۳۰۱ مقدمہ تغلیق التعلیق ص: ۱۰۹ تا ۱۱۶۔ شاکر محمود عبدالمنعم ص: ۹۹۔ (۳۳) المجمع المؤسس، ص: ۳۰۷۔ مقدمہ تغلیق التعلیق ص: ۱۱۶، تا ص: ۱۲۲۔ ڈاکٹر شاکر محمود عبدالمنعم ۱/۹۹۔

(۳۴) غایة السول فی خصائص الرسول تحقیق عبداللہ بحر الدین عبداللہ۔ ص: ۲۸۴۔ دار البشائر الاسلامیہ (بیروت: ۱۴۲۲ھ۔ ۲۰۰۱ء)۔ (۳۵) حافظ کو ان سے جو تعلق تھا، اس کا اندازہ حافظ کی اس عبارت سے کیا جاسکتا ہے، لکھتے ہیں:

”لازمته من سنة تسعین إلی أن مات وکان یودنی کثیراً، ویشهد لی فی ۔۔۔ بالتقدم، ویتأدب معی إلی الغایة، مع مبالغتی فی تعظیمه، حتی کنت لا أسمیه فی غیبته إلاّ إمام الأئمة“۔ انباء الغمر ۷/۲۴۲۔ (دائرۃ المعارف: حیدرآباد: ۱۳۹۴ھ۔ ۱۹۷۴ء)۔

خانوادۂ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور علمائے جنوب کے علمی روابط

ڈاکٹر راہی فدائی

ہندوستان کی دو انتہاؤں دہلی اور ویلور (تمل ناڈو) میں دو قطب ایسے گذرے ہیں جن کے خانوادے تصوف وسلوک، دعوت وارشاد، علم وعمل، فکر وتدبر اور اخلاص واحسان میں صدیوں سے معروف وممتاز رہے ہیں۔ ان میں سے ایک حضرت قطب الدین احمد معروف بہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (ولادت ۱۱۱۴ھ وفات ۱۱۷۶ھ مطابق ۱۷۰۳ء۔ ۱۷۶۲ء) بن حضرت شاہ عبدالرحیم فاروقیؒ دہلوی (متوفی ۱۱۳۱ھ مطابق ۱۷۱۸ھ) اور دوسرے سید شاہ ابوالحسن رکن الدین قربی ویلوریؒ (ولادت ۱۱۱۸ھ وفات ۱۱۸۲ھ مطابق ۱۷۰۶ء۔ ۱۷۶۸ء) بن حضرت سید شاہ عبداللطیف نقوی بیجاپور (متوفی ۱۱۵۰ھ مطابق ۱۷۳۷ء) ہیں جن کے علمی افادات وتصنیفی کارنامے تین صدیوں پر محیط ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث، خلیفہ ثانی امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے تھے اور حدیث، تفسیر، فقہ، طبیعات والہیات اور اسرار وحِکَم کے ماہر تھے، شاہ ابوالحسن قربیؔ بلند پایہ صوفی وتبحر عالم ہونے کے علاوہ اردو اور فارسی کے صاحبِ دیوان، عمدہ ونامور شاعر تھے، تصوف، عقائد، فقہ اور فلسفہ میں ان کے اٹھارہ رسائل وکتب ہیں (۱)۔ اردو کے اولین نقاد اور اردو، فارسی، عربی کے جید شاعر علامہ باقر آگاہؔ ویلوری (متوفی ۱۲۲۰ھ) حضرت شاہ قربیؔ کے شاگرد رشید اور مرید ومعتقد تھے۔ شاہ ولی اللہ کے والد صاحب کا قائم کردہ مدرسۂ رحیمیہ دہلی میں اور شاہ قربی کے پدر بزرگوار شاہ عبداللطیف سے معنون دارالعلوم لطیفیہ شہر ویلور (تمل ناڈو) میں تا حال تشنہ گان علم وعرفان کے لیے سرچشمہ ہائے فیض بنے ہوئے ہیں۔ شاہ ولی اللہ اور شاہ قربی تقریباً ہم عمر وہم عصر ہونے کے باوجود

بنگلور، کرناٹک۔

شمال وجنوب کے فاصلوں اور سفر کی دشواریوں کی وجہ سے ایک دوسرے سے واقف ہونے کا کوئی موقع نہ پاسکے۔ البتہ شاہ ولی اللہ محدث کی وفات (۱۱۷۶ھ) کے بعد ان کے خانوادے کو جنوبی ہند کے علماء سے متعارف کرانے کا بیڑا شہر مدراس کے قاضی القضاۃ علامہ ارتضیٰ علی خان بہادر خوشنودؔ (ولادت: ۱۱۹۸ھ وفات ۱۲۷۰ھ) نے اٹھایا۔

قاضی ارتضیٰ علی خان خوشنودؔ ولد مولانا مصطفی علی خان خوشدلؔ گوپاموی ثم مدراسی نے عربی اور فارسی کی تعلیم اپنے والد سے گوپامئو میں حاصل کی، پندرہ سال کی عمر میں لکھنؤ پہنچ کر مختلف علماء سے استفادہ کیا، بعدازاں سندیلہ آکر منطق وفلسفہ اور دیگر فنون کی کتابیں علامہ حیدر علی سے پڑھیں، وہاں سے فراغت کے بعد بلگرام چلے آئے جہاں مشہور زمانہ استاذ، علوم شرعیہ کے ماہر حضرت علامہ محمد ابراہیم ملیباری سے سات سال تک کتب حدیث وتفسیر اور فقہ وفرائض کا درس لیتے رہے۔ اس دوران مشہور صوفی بزرگ حضرت سید شاہ غلام نصیرالدین سعدی بلگرامی بن حضرت سید شاہ غلام پیر بلگرامی کے دستِ حق پرست پر بیعت سے مشرف ہوئے جس کا ذکر انہوں نے اپنی رباعیات میں والہانہ طور پر کیا ہے۔

دستم بگرفت فیض عامِ سعدیؔ	مستم از جرعہ ز جامِ سعدیؔ
گم نامم و نیست غیر سعدی نامم	زا مروز کہ حرز جان است نامِ سعدیؔ
از بسکہ بدل بود ہوائے سعدیؔ	ناید نظرم بجز لقائے سعدیؔ
خوشنودؔ ز فخر سر کشیدم بفلک	سودم چو جبین خود بپاے سعدیؔ(۲)

مولانا ارتضیٰ علی کے والد مولانا مصطفی علی کرناٹک کے نواب محمد علی والا جاہ (متوفی ۱۲۱۰ھ مطابق ۱۷۹۵ء) کے رشتہ دار تھے، نواب والا جاہ نے انہیں مدراس اپنے یہاں بلالیا جو کرناٹک کا دارالخلافہ تھا، مولانا مصطفی کے وارِدِ مدراس ہونے کے بعد مولانا ارتضیٰ علی خان بھی ۱۲۲۵ھ میں مدراس تشریف لائے اور درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں مصروف ہوگئے۔ ان کی علمی قابلیت اور فنی صلاحیت سے متاثر ہوکر اس وقت کے نواب کرناٹک نواب عظیم الدولہ (متوفی ۱۲۳۴ھ مطابق ۱۸۱۸ء) تلمیذ علامہ باقر آگاہ نے ان کو ۱۲۳۰ھ میں منصبِ افتاء پر فائز کرکے قدرافزائی کی، ترقی کے منازل طے کرتے ہوئے ۱۲۴۴ھ میں وہ قاضی القضاۃ کے اعلیٰ عہدہ پر فائز ہوگئے۔ عربی اور فارسی

میں متعدد کتابیں تصنیف کیں جن میں عربی کی پانچ اور فارسی کی تیرہ کتابوں کے مخطوطے مدراس کے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں۔ انتقال حج سے واپس ہوتے ہوئے جہاز ہی میں (۱۲۷۰ھ) میں ہوا اور نعش سمندر کے سپرد کر دی گئی۔

قاضی ارتضیٰ علی خان نے مدراس میں سب سے پہلے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا نہ صرف تفصیلی تذکرہ اپنے دوست واحباب اور تلامذہ کے درمیان کیا بلکہ علم معانی اور فن بیان و بدیع پر مشتمل شاہ عبدالعزیز دہلوی کی مختصر کتاب ''الرسالۃ العزیزیہ'' کی مبسوط شرح ''النفائس الارتضیہ'' کے نام سے تحریر کی۔ یہ گراں قدر شرح آج بھی جنوب کے عربی مدارس و دینی جامعات میں پڑھائی جاتی ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ قاضی ارتضیٰ علی نے مذکورہ شرح شاہ عبدالعزیز کی حینِ حیات رقم کی اور اس کی تعریف کرتے ہوئے درج ذیل شعر کہے۔

وجیزاً عزیزاً فیه کنزٌ من اسرار لعلمٍ کمیزانٍ لفهمٍ کمعیار
رشیقاً انیقاً مستطاباً ومرغوباً کروحٍ و ریحانٍ و عطرٍ و معطار (۳)

قاضی ارتضیٰ کے احباب میں ہندوستان کے اولین منظم مدرسہ جامعہ باقیات صالحات، ویلور (قائم شدہ ۱۲۷۹ھ مطابق ۱۸۶۲ء) کے بانی اعلیٰ حضرت شمس العلماء شاہ عبدالوہاب قادری ویلوری (ولادت ۱۲۴۷ھ وفات ۱۳۳۷ھ) کے والد ماجد حضرت علامہ شاہ حافظ عبدالقادر آتوری (ولادت ۱۱۹۸ھ وفات ۱۲۵۱ھ) بھی تھے جنھوں نے قاضی ارتضیٰ کے ہم عمر ہونے کے باوجود قاضی صاحب سے استفادہ کیا، حالانکہ قبل ازیں شاہ آتوری نے اپنے والد محترم علامہ شاہ غلام محی الدین آتوری علیہ الرحمہ (متوفی ۱۲۲۰ھ) سے آتور میں اور جنوب ہند کے مشہور و مایہ ناز عالم دین عربی زبان کے شاعر وادیب شیخ عبدالقادر تکیہ صاحب (ولادت ۱۱۹۲ھ وفات ۱۲۶۷ھ) سے کیلا کرائی (تمل ناڈو) میں مطولات کتب کی تعلیم حاصل کی تھی۔ تاہم شاہ صاحب نے مزید علوم وفنون کی خواہش میں مدراس پہنچ کر قاضی صاحب کی خدمت میں حاضری دی اور ان کے فیضانِ علمی سے بہرہ ور ہوئے۔ شاہ عبدالقادر اور قاضی ارتضیٰ علی کے درمیان بڑی یگانگت اور ہم خیالی تھی، اسی وجہ سے فراغت کے بعد بھی دونوں بزرگوں کی ملاقاتیں بارہا ہوتی رہیں اور افکار وخیالات کے تبادلہ کے ساتھ بحث ومباحثہ کی محفلیں سجتی رہیں۔ انھی دنوں قاضی ارتضیٰ صاحب نے حافظ عبدالقادر سے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی علمی وعبقری

شخصیت کا ذکر خیر کرتے ہوئے نہ صرف شاہ صاحب کے تصنیفی کارناموں سے متعارف کروایا بلکہ شاہ صاحب کی کتاب ''الرسالۃ العزیزیۃ'' کی شرح ''النفائس الارتضیۃ'' کا مسودہ بھی ان کو دکھلایا چنانچہ حافظ شاہ عبدالقادر صاحب نے ۱۲۴۸ھ میں مذکورہ کتاب کی بہترین نقل اپنے دست مبارک سے تیار کی جو آج بھی کتاب خانہ جامعہ باقیات صالحات کی زینت بنی ہوئی ہے۔علاوہ ازیں شاہ عبدالقادر نے اس کے دوسرے ہی سال ۱۲۴۹ھ میں شاہ عبدالعزیز کی معرکہ آرا فارسی تفسیر ''تفسیر عزیزی'' کا عربی زبان میں ترجمہ کیا اور اس کا نام ''التعریب القادری للتفسیر العزیزی'' رکھا، کلام پاک کے آخری دو جز پر مشتمل اس فارسی تفسیر میں مضمون کی مناسبت سے جہاں فارسی اشعار شامل کیے گئے ہیں وہاں شاہ عبدالقادر نے اس کا ترجمہ عربی اشعار میں کیا جس سے دونوں زبانوں میں ان کے تبحر علمی اور موزونی طبع کا پتہ چلتا ہے،تفسیر کے مخطوطے سے نقل شدہ عبارت ملاحظہ ہو۔(۴)

'' وانا ایضاً اعرّب الابیات الفارسیۃ الا العربیۃ واترکہ ، بلا تغییر وتفتیر واشیرالیٰ الابیات العربیۃ بلفظ یدل علی التعریب من النثر والنظم مسمّیً بالتعریب القادری للتفسیر العزیزی جعلہ اللہ خالصاً لوجھہ الکریم بمنّہ العمیم وذخیراً لی عندہ فی یوم العظیم بفیضہ المقیم وبہ التوفیق ابتدأت فی بلدۃ ایلوررعاہ اللہ من أفات الدھور بالقریب بتاریخ خمسۃ عشر من شھرالمحرم سنۃ تسع واربعین ومأتین بعد مضیٔ الالف من الھجرۃ النبویۃ المحمدیہ المصطفویہ علی صاحبھا افضل الصلٰوۃ والتحیۃ وعلی الہ واصحابہ.........''۔

شاہ عبدالقادر نے کتاب کی ابتداء میں حمد وصلٰوۃ کے بعد شاہ عبدالعزیز کی عقیدت ومحبت کا اظہار اوران کی علمی صلاحیتوں کا اور خاص کر حدیث شریف میں ان کے بلند مرتبہ کا اعتراف کیا ہے۔

'' فیقول العبدالمذنب المتلوث بحجاب الآنیۃ والغیریۃ الراجی رحمۃ اللہ الباری حافظ عبدالقادر الاٰتوری المدھری طھّرہ من الحجب والعیوب بلطفہ الخفی المطلوب وعافاہ فی بدنہ وسمعہ وبصرہ بفضلہ المرغوب، لمّاکان تفسیر الفاتحۃ ام ا لکتاب لمولانا العالم العلامۃ والکامل الفھامہ

والحبر النحرير فی التقریر والتحریر فریددھرہ وحید عصرہ البحر الزاخر الالمعی الماھر نقاد الحدیث النبوی عبدالعزیز الدھلوی بن ولی اللہ المحدث وھو ابن الشیخ عبد الرحیم الدھلوی قدس اللہ اسرارھم ونفعنا بعلومھم وبرکاتھم ... مع تفسیر الجزئین الاخیرین من القرآن المجید فارسیاً شاقاً علی اھل العربیة"۔(۵)

آج سے دوصدی پہلے بھی شمالی ہند کے مقابلے میں جنوبی ہند کی ریاستیں جنوبی آرکاٹ اور ملیبار فارسی زبان سے نابلد تھیں، مقامی زبانوں ٹمل اور ملیالم کے علاوہ ان علاقوں کے عوام خصوصاً مسلمان عربی سے خوب واقف تھے اوران کے علماء کی تصنیفات عربی میں ہوا کرتی تھیں، اوریہ اہل علم اپنی کاوشوں کونظم ونثرعربی میں پیش کرتے تھے، انہیں صدیوں سے عرب اقوام کی صحبتیں میسر رہیں، اسلامی معاشرہ اورعربی تہذیب سے ان کی وابستگی تاریخی اہمیت کی حامل تھی، اس لیے عربی زبان گویا ان کی مادری زبان کا درجہ حاصل کرچکی تھی، شاہ عبدالقادر قصبۂ آتور (ضلع ڈنڈگل، ٹمل ناڈو) کے متوطن تھے، شہرویلور میں ان کی آمدورفت ان کے شیخ طریقت حضرت سید شاہ ابوالحسن محویؔ ویلوری (متوفی ۱۲۴۳ھ) کی وجہ سے تھی اوران کوحضرت محوی نے خلافت واجازت سے سرفراز فرمایا تھا۔انہوں نے اپنے مرشد کے حکم پر متأہل ہونے کے باوجود ویلور میں دوسرا نکاح کیا، جس سے شاہ عبدالوہاب (بانیٔ مدرسہ باقیات صالحات) تولد ہوئے۔یہی وجہ تھی کہ شاہ عبدالقادر نے مذکورہ تفسیر ویلور میں اپنے طویل قیام کے دوران تحریر کی۔شاہ صاحب چونکہ تمل ناڈو کے ماحول ومزاج اوروہاں کے حالات اورخواص کے کمالات سے کما حقہ واقف تھے اس لیے انہوں نے شاہ عبدالعزیز کے تفسیری افادات سے جنوب بعید کے اہل علم واصحاب دانش کومستفید ومتعارف کرانے کی سعیٔ بلیغ کے طور پر فارسی تفسیر کا عربی میں ترجمہ کیا۔ان کی یہ مخلصانہ کاوش وکوشش نتیجہ خیز وبارآور ثابت ہوئی۔جس سے جنوب میں خانوادۂ ولی اللہ کے افاضات عام ہونے لگے اور بزرگان ولی اللّٰہی سے یہاں کے اکابر کا ربط وضبط شروع ہوا۔چنانچہ خانوادۂ شاہ ولی اللہ کے خوشہ چیں حضرت سید احمد شہید کے خلیفہ مولانا سید محمد علی رامپوری ماہ محرم ۱۲۴۵ھ میں پہلی بار مدراس تشریف لائے تو مدراس کے ایک فاضل خان عالم خان فاروق (متوفی ۱۲۷۱ھ) بن جانِ جہاں خاں بہادر جو عربی، فارسی، ترکی اورانگریزی زبانوں میں کامل مہارت رکھتے تھے، ان سے

بیعت کے بعد رقص و سرود سے کنارہ کش اور لہو ولعب کی زندگی سے تائب ہو گئے۔ اور تھوڑی ہی مدت میں خرقۂ خلافت سے بھی نوازے گئے۔ مولانا رامپوری ۱۲؍ ذی قعدہ ۱۲۴۵ء کو مدراس سے کلکتہ روانہ ہوئے تو مدراس کے معروف جید عالم صاحب تصنیف بزرگ مولانا عبدالوہاب مدارالامرا بہادر (متوفی ۱۲۸۵ھ) نے اپنے روزنامچے میں مذکورہ تاریخ کے تحت یہ جملہ رقم کیا تھا۔

"مولوی میر محمد علی واعظ کہ از عذب البیان وے بسیار از مردم ہدایت یافتند، روانہ کلکتہ شدند"۔ (۶)

یہ بات قابل توجہ ہے کہ خانوادۂ قربی علیہ الرحمہ کے چشم و چراغ حضرت سید شاہ عبداللطیف نقوی قادری معروف بہ قطبِ ویلور (ولادت ۱۲۰۷ھ وفات ۱۲۸۹ھ) کے شاگرد و خلیفہ اور ایک سو سے زائد کتابوں کے مصنف حضرت شاہ عبدالحی احقرؔ بنگلوری (متوفی ۱۳۰۱ھ) نے سلسلۂ نقشبندیہ میں مولانا سید محمد علی رامپوری سے خلافت حاصل کی اور مولانا رامپوری کے دوسری مرتبہ ۱۲۴۶ھ میں مدراس تشریف لانے کے بعد شاہ ولی اللہ کے پوتے اور شاہ عبدالغنی کے فرزند شاہ اسماعیل شہید (ولادت ۱۱۹۳ھ وفات ۱۲۴۶ھ) سے منسوب کتاب "تقویۃ الایمان" (۷) کی وجہ سے حضرت مولانا رامپوری پر وہابیت کا جو الزام عائد کیا گیا، اس کا مدلل جواب اور اس کی مکمل تردید شاہ عبدالحی بنگلوری نے کی۔ (۸) اور اپنے دونوں شیوخ کی تعریف و توصیف میں طویل نظم کہی۔ علاوہ ازیں شاہ عبدالحیؒ کے مرشد حضرت قطبِ ویلور نے اپنے مکتوبات میں جابجا مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور مولانا شاہ محمد اسماعیل دہلوی کی کتابوں کا حوالہ دیا ہے اور ان کے ناموں کے ساتھ "شاہ" کا لفظ لکھا ہے اور انہیں "حنفی" کہا ہے۔ (۹)

خانوادۂ ولی اللہ کے فیض یافتہ بزرگوں سے ربط و تعلق کی ابتدا یقیناً قاضی ارتضیٰ علی فاروقی صفوی کے محب و تلمیذ حضرت مولانا حافظ شاہ عبدالقادر آتوری کی عربی تفسیر سے ہوئی، شاہ عبدالعزیز سے ان کو اس قدر عقیدت و محبت ہو گئی تھی کہ انہوں نے اپنے دوسرے فرزند کا نام "عبدالعزیز" رکھا، جن کا کم سنی میں انتقال ہو گیا۔ شاہ عبدالقادرؒ کو اشاعت علم کا بڑا شوق تھا، وہ مختلف علوم وفنون کی کتابیں اور بزرگان دین کی تصنیفات کو خود اپنے ہاتھ سے نقل کر کے شائقین تک پہنچاتے تھے، یہ شوق طالب علمی کے زمانے ہی سے تھا۔ ۱۲۱۹ھ میں "الفیہ ابن مالک" کی بہترین نقل تیار کی تھی جس کا مخطوطہ کتب خانہ جامعہ باقیات صالحات ویلور میں موجود ہے۔ اور اسی جامعہ کے مخزونہ میں ۱۲۴۶ھ میں تحریر کردہ

''شرح فصوص الحکم'' (لابن العربی) اور ''قصیدۂ فارضیہ'' (لابن الفارض) کی عمدہ نقول محفوظ ہیں۔ تین رسالے ''استجابۃ الدعا'' ''قصیدۃ البردہ'' اور ''شرف الانعام'' اپنے شیخ زادے سید شاہ عبداللطیف نقوی قادری معروف بہ قطب ویلورؒ (متوفی ۱۲۸۹ھ) کو ارسال کرتے ہوئے درج ذیل عبارت رقم کی تھی:

''بعونہ و منتہ تعالیٰ تصل ہذہ الاجزاء الثلثۃ ہدیۃً من الفقیر الحقیر الفاجر حافظ عبدالقادر الیٰ العالم العلام المولوی الفہام السیدشاہ غلام محی الدین المقلب بالسید عبداللطیف مدظلہ من مدراس الیٰ ویلور ۲۷/ صفر المظفر ۱۲۴۸ھ۔ (۱۰)

شاہ عبدالقادر کے دل میں ترویج علم دین کی شدید خواہش موجزن تھی، ان کے صالح جذبات کے مدنظر یہ قیاس کرنا غلط نہ ہوگا کہ انہوں نے اپنے شیخ زادے خانوادۂ قربی کے فرزند حضرت قطب ویلور بن حضرت شاہ محوی علیہ الرحمہ کو شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے خانوادے سے متعارف کرایا تھا اور ان کی تصنیفات کی نقول مہیا کی تھیں، جس سے حضرت قطب ویلورؒ کو شاہ عبدالعزیز اور شاہ محمد اسحاق کی ذات والا صفات سے انسیت و محبت پیدا ہوگئی، اسی کا نتیجہ تھا کہ حضرت قطب ویلورؒ جو خود بھی عربی اور فارسی کے اعلیٰ درجے کے اہل قلم و بلند پایہ صوفی تھے۔ بقول مولانا شاہ محمد ولی اللہ قادری تلمیذ ابوالحسنات محمد عبدالحی لکھنوی فرنگی محلی، ان کے عرب و عجم میں سات لاکھ مرید اور چار سو خلفا تھے (۱۱)، علم تصوف اور حقائق و معارف پر مشتمل ضخیم معرکہ آرا کتب جواہر الحقائق (تصنیف شدہ ۱۲۸۳ھ) اور جواہر السلوک (۱۲۸۱ھ) کے مصنف تھے۔ جب ۲/شعبان ۱۲۶۰ھ کو حج و زیارت کی سعادت حاصل کرنے کے لیے شہر ویلور سے روانہ ہوئے اور تقریباً دو سال بعد ۹/ذی الحجہ ۱۲۶۲ھ مطابق ۱۸۴۶ء کو ویلور پہنچے تو مکہ مکرمہ سے اپنی روانگی سے پیشتر ماہ جمادی الاولیٰ ۱۲۶۲ھ میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے نواسے حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی مہاجر مکی (متوفی ماہ رجب ۱۲۶۲ھ) بن افضل فاروقی دہلوی سے تبرکاً سند حدیث حاصل کی۔ سند کی نقل ذیل میں دی جاتی ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلیٰ الہ واصحابہ اجمعین۔ اما بعد فیقول العبد الضعیف الحقیر خادم العلماء علیٰ الاطلاق محمد اسحاق ان الفتح الجلیل، صاحب

فضل المبين الشيخ محى الدين سلمه الله الى يوم الدين طلب منى الاجازه فأجزت له اجازه الكتب الصحاح السته البخارى والمسلم وسنن ابى داؤد والجامع للترمذى وسنن النسائى وابن ماجه للقزوينى وايضا أجزت له مشكوٰة المصابيح الحصن الحصين للجزرى لى الأجازة والقرأة لهذه الكتب من الشيخ الذى فاق بين اقرانه باليقين اعنى الشيخ عبدالعزيز رحمه الله تعالىٰ وحصل له الاجازة عن والده الشيخ ولى الله المحدث الدهلوى العارف بالله وحصل له الاجازة عن الشيخ ابى طاهر المدنى وحصل له الاجازةعن والده الشيخ ابراهيم المدنى وانها فى سنده مذكورۂ فى محله حررۂ فى مكة المعظمة فى شهر الجمادى الاولىٰ من سنة ١٢٦٢ ھ من الهجرة على صاحبها الف الف صلوٰة وتحية۔

مہر محمد اسحاق

۱۲۵۸ھ (۱۲)

حضرت قطب ویلور علیہ الرحمہ کے حضرت شاہ اسحاق سے قریبی روابط تھے، قیام مکہ مکرمہ کے دوران ان سے مختلف امور میں صلاح و مشورہ اور تبادلۂ خیال ہوتا تھا، چنانچہ ایک روز قطب ویلورؒ نے خواب دیکھا کہ حرم شریف میں ایک پودا ظاہر ہوا جس نے دیکھتے ہی دیکھتے ایک تناور درخت کی صورت اختیار کر لی اور اس کی شاخیں کعبۃ اللہ پر سایہ فگن ہوگئیں، حضرت قطب ویلور نے اپنے اس خواب کا تذکرہ حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی مہاجر مکی سے کیا تو شاہ صاحب بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ آپ کے ایک فرزند صالح پیدا ہوگا اس سے اور اس کی اولاد امجاد سے تشنہ گانِ علم کو خوب فیض پہنچے گا۔(۱۳)

حضرت قطبِ ویلور نے اپنے خلیفۂ خاص شاہ عبدالحیؒ احقرؔ بنگلوری کے نام ایک مکتوب میں تحریر کیا کہ:

> ''فقیر ۱۲۶۰ھ میں بمقام مکہ مکرمہ حالتِ غنودگی میں دیکھا کہ قرآن کریم کی آیتِ کریمہ ''رب هب لى من لدنك وليا يرثنى ويرث من آل يعقوب واجعله ربّ رضيا'' کو طواف کی حالت میں آل یعقوب کی بجائے آل محمد پڑھ رہا ہے نیز اسی سال مکہ مکرمہ میں مولوی محمد حسین حیدر آبادی نے خواب دیکھا کہ فقیر

(قطب ویلور) سطح کعبہ پر عَلَم نصب کررہا ہے اور اس کے سیدھی جانب ایک خاتون کھڑی مسکرا رہی ہے۔ اس خواب کو سن کر مولانا شاہ اسحاق مہاجر دہلوی نے لوگوں سے فرمایا ان (قطب ویلور کے فرزند سید محمد) سے اور ان کی اولاد سے دینِ متین کو تقویت پہنچے گی''۔(۱۴)

وہ مکہ مکرمہ میں جب قیام پذیر تھے تو ان کے علمی کارناموں کی شہرت شریف مکہ کے ایوان تک پہنچی، شریف مکہ نے سلطان روم کے لیے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی ردشیعیت میں تحریر کردہ لاجواب وبے مثال کتاب ''تحفۂ اثنا عشریہ'' کو عربی میں ترجمہ کرنے کی خواہش ان سے کی تو اس خواہش اور خود اپنے ذوق کی تسکین کے لیے انہوں نے ''تحفۂ اثنا عشریہ'' کا ترجمہ فرمایا جس سے سلطان بہت متاثر ہوا اور ان کو اپنے یہاں آنے کی دعوت دی انہوں نے معذرت کرلی۔

حضرت قطب ویلور نے دوسرا حج ۱۲۸۸ھ میں فرمایا، مناسک حج سے فراغت کے بعد مدینہ منورہ پہنچ کر بارگاہ نبویؐ میں حاضری دی بعد ازاں ۱۱ر محرم الحرام ۱۲۸۹ھ بروز پنج شنبہ بوقت عصر اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کردی اور جنت البقیع میں حضرت امام حسنؓ کے پائیں آسودۂ خاک ہوگئے۔(۱۵)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی موقر تصنیف ''تحفۂ اثنا عشریہ'' (مرقومہ ۱۲۱۵ھ) کا عربی ترجمہ مدراس کے ایک اور عالم وفاضل علامہ بحرالعلوم (متوفی ۱۲۲۵ھ) کے تلمیذ خاص سراج العلماء غلام محمد سعید اسلمی (متوفی ۱۲۷۲ھ م ۱۸۵۵ء) نے ''الترجمۃ العبقریۃ والصولۃ الحیدریۃ'' کے نام سے ۱۲۲۷ھ مطابق ۱۸۱۲ء میں کیا جس کے بارہ ابواب اس طرح ہیں: (۱) فی الیفیۃ حدوث مذہب التشیع وانشعابہ بفرق مختلفۃ۔ (۲) فی مکاید الشیعۃ وطرق اضلالھم وتلبیسھم۔ (۳) فی ذکر اسلاف الشیعۃ وعلمائھم وکتبھم۔ (۴) فی ذکر احوال اخبار الشیعۃ ورواتہا۔ (۵) فی الالٰھیات۔ (۶) فی النبوات۔ (۷) فی الامامۃ۔ (۸) فی المعاد۔ (۹) فی مسائل الفقھیۃ۔ (۱۰) فی مطاعن الخلفاء الثلاثۃ وام المومنین والصحابۃ الآخرین۔ (۱۱) فی خواص مذہب الشیعۃ فیہ ثلاثۃ فصول۔ (۱۲) فی التولی والتبری علی عشرات مقدمات۔

مولانا سعید اسلمی بن شیخ محی الدین ذہین وطباع عالم تھے۔ ان کے والد محترم وجد مکرم حاجی محمد عمر حضرت ٹیپو سلطان (شہادت ۱۲۱۳ھ) کی حکومت میں اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے اور ''سری رنگ

پٹن" (میسور) میں اقامت گزیں تھے، سلطان کی شہادت کے بعد انہوں نے مدراس کا رخ کیا اور وہیں کے ہو کے رہ گئے۔ مولانا اسلمی کے باپ اور دادا خانوادۂ اقطاب ویلور کے سرپرست اعلیٰ حضرت سید شاہ ابوالحسن قربیؔ کے مرید و معتقد تھے۔ مولانا اسلمی نے سری رنگ پٹنؔ سے مدراس آکر وہاں مستقل سکونت اختیار کرلی، اس کے بعد وہ مدراس کے علمی و ادبی ماحول سے خود کو ہم آہنگ کرتے ہوئے ادبی مجالس و علمی مباحث میں شریک ہونے لگے۔ انہوں نے علامہ باقر آگاہ مرحوم کے عربی قصائد کی تنقید کی، اس سے خفا ہوکر علامہ آگاہ کے نامور شاگرد اور مقتدر ادیب و مایہ ناز شاعر نواب غلام اعزالدین مستقیم جنگ نامیؔ (متوفی ۱۲۴۰ھ م ۱۸۲۴ء) نے اسلمی کے اعتراضات کا مدلل جواب دیا اور انہیں تنبیہ بھی کی کہ جوانی کے جوش میں بڑوں پر اس طرح کے غیر ضروری اعتراضات نہ کریں، مگر وہ کسی کا مشورہ قبول کرنے والے نہیں تھے، چنانچہ "تحفۂ اثنا عشریہ" کا ترجمہ جب کیا تو اس کے مقدمے میں تحریر کیا کہ اس کتاب میں حشو و زوائد کی بھرمار ہے مگر میں نے ایمان داری سے کام لیتے ہوئے ہو بہو ترجمہ کردیا، مولانا اسلمی کی عبارت کا اقتباس پیش ہے:

"و اترجم الکتاب بالفاظه و عباراته لا بمضامینه الملخصة و ان کانت اسهل بمراعات القواعد العربیه و لکن لما کان فی الکتاب کثیر من حشو مستغنی عنه و اطناب بلاطایل و تکرار فی اکثر مواضعه و ما استطیع ان احذفها کلها مخافة من العذال، لا جرم ان الامور المذکورة تدخل فی الترجمة ایضا......(۱۶)

حضرت علامہ شاہ عبدالقادر آتوری علیہ الرحمہ کی اس مخلصانہ و دیانت دارانہ سعیٔ مشکور ہی کی برکت تھی کہ ان کے انتقال کے بعد ان کے لائق فرزند اعلیٰ حضرت علامہ قاری شاہ عبدالوہاب قادری ویلوریؒ بانی ام المدارس مدرسہ باقیات صالحات ویلور نے اپنے والد کی علمی میراث کو نہ صرف محفوظ رکھا بلکہ والد کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے حضرت قطبِ ویلور اور حضرت شاہ امداد اللہ مہاجر مکی سے خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے شاگرد مشہور صوفی بزرگ حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی (متوفی ۱۳۱۵ھ) (۱۷) سے بھی استفادہ کرتے ہوئے سلسلۂ نقشبندیہ میں ان کے مرید ہوئے۔ (۱۸) مزید یہ کہ شاہ عبدالوہابؒ نے اپنے مدرسۂ باقیات میں سب سے پہلے شاہ عبدالعزیز محدث کے رسالہ کی شرح "النفائس الارتضیہ" کو سلسلۂ نظامیہ کے نصاب میں شامل کیا۔ اس کے بعد

جنوبی ہند کے تمام مدارس میں یہ کتاب نصابِ تعلیم کا حصہ بن کر رائج ہوگئی۔

حاصل کلام یہ کہ خانوادۂ شاہ ولی اللہ محدث سے علمائے جنوب کو متعارف کرانے کا سہرا شاہ علامہ حافظ عبدالقادر آتوری علیہ الرحمہ کے سر ہے، شاہ عبدالقادر درحقیقت شمال وجنوب کے درمیان باوقار علمی واسطہ اور فکری ہم آہنگی کا بہترین ذریعہ تھے۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء۔

ماخذ و حواشی

(۱) راہی فدائی ڈاکٹر، دارالعلوم لطیفیہ ویلور کا ادبی منظر نامہ، مطبوعہ وجئے پرنٹرس، حیدرآباد۔ ۲۴۔ ۱۹۹۷ء، ص ۵۷۔ (۲) محمد یوسف کوکن افضل العلماء، عربک اینڈ پرشین اِن کرناٹک (انگریزی)، مطبوعہ امیر اینڈ کو، مدراس۔ ۱۸/ ۱۹۷۴۔ ص ۴۰۷۔ (۳) ایضاً ص ۴۰۷۔ (۴) مخطوطے کی زیراکس کاپی کے ابتدائی چند صفحات راقم الحروف کی تحویل میں موجود ہیں۔ ص ۲۔ (۵) ایضاً، ص ۱۔ (۶) محمد یوسف کوکن عمری افضل العلماء، خانوادۂ قاضی بدرالدولہ، جلد اول، مطبوعہ دارالتصنیف مدراس۔ ۱۴/ ۱۹۶۳ء، ص ۳۶۵۔ (۷) مشہور محدث شیخ الاسلام حضرت سید شاہ حسین احمد مدنیؒ نے اپنے مکتوب بنام حافظ معین الدین صاحب صدیقی تحریر فرمایا ''یہ کتاب (تقویۃ الایمان) حضرت مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ کی طرف نسبت کی جاتی ہے (جس کی نسبت میں بھی لوگوں کو کلام ہے) مولانا نجم الدین اصلاحی، مکتوباتِ شیخ الاسلام، مکتوب نمبر ۵۵ / جلد دوم، مکتبہ دینیہ دیوبند، مطبوعہ ۲۰۰۴ء، ص ۱۸۳۔ (۸) راہی فدائی ڈاکٹر، دارالعلوم لطیفیہ کا ادبی منظر نامہ۔ ص ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ (۹) شاہ عبداللطیف نقوی معروف بہ قطبِ ویلور، مکتوب (فارسی) ترجمہ بشیر الحق لطیفی مولانا ڈاکٹر، دارالتصنیف والاشاعت، حضرت مکان ویلور، مطبوعہ ۲۰۱۲ء، ص: ۴۵۵، ۴۶۵، ۴۷۳، ۴۸۲، ۴۸۹۔ (۱۰) ان رسائل کے مخطوطے (حوالہ نمبر ۵۲۸۶) جامعہ باقیات صالحات کے کتب خانے میں دستیاب ہیں۔ (۱۱) محمد ولی اللہ شاہ بن مولانا شاہ محمد قادری، جواہر العرفان، مطبوعہ مطبع مجاریہ، حیدرآباد، ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۹۲۷ء، ص ۱۔ (۱۲) عبدالرحیم مولانا ضیا حیدرآبادی، مقالات طریقت۔ مطبوعہ متن کرنال (پنجاب) ۱۲۹۲ھ، ص ۲۵۶۔ ۲۵۷ بحوالہ سید محمود احمد حکیم مولانا برکاتی، باراول ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۹۹۲ء۔ شاہ ابوالخیر اکادمی، شاہ ابوالخیر مارگ۔ دہلی۔ ۶/ ص ۹۶۔ ۹۷۔ (۱۳) راہی فدائی ڈاکٹر، دارالعلوم لطیفیہ کا ادبی منظر نامہ۔ ص ۲۷۶۔ (۱۴) حضرت قطب ویلورؒ، مکتوبات (فارسی) مترجم، ڈاکٹر بشیر الحق قریشی لطیفی، ص ۳۳۲۔ (۱۵) راہی فدائی ڈاکٹر، دارالعلوم لطیفیہ کا ادبی منظر نامہ۔ ص ۱۹۹/ ۲۰۲۔ (۱۶) محمد یوسف کوکن عمری، عربک اینڈ پرشین اِن کرناٹک (انگریزی)۔ ص: ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹۔ (۱۷) شاہد حسین رزاقی، علمِ حدیث میں برعظیم پاک و ہند کا حصہ، مطبوعہ اشاعتِ اسلام ٹرسٹ، ص ۵۸۱، مرکزی مکتب اسلامی دہلی ۶۔ ۱۹۸۳ء، ص: ۲۱۰، ۲۱۱۔ (۱۸) راہی فدائی ڈاکٹر، باقیات ایک جہاں، (دوسرا ایڈیشن) مطبوعہ الانصار پبلی کیشنز حیدرآباد۔ ۵۹۔ ۲۰۱۳ء، ص ۳۱۔

توحید و رسالت اور تعمیر سیرت

ڈاکٹر فرحت نسیم علوی*

جناب ملک کامران**

مختلف معاشروں سے تعلق رکھنے والے انسان چونکہ اپنے اپنے دھاروں میں پرورش پا رہے ہوتے ہیں اس سے افراد کے اندر بہت سی خامیاں اور کوتاہیاں درآتیں ہیں اور معاشرے میں بدامنی اور افتراق وانتشار کی کیفیت رہتی ہے، یہ سب ایک فرد کی تربیت نہ ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اگر معاشرے کی اکائی یعنی فرد کی اچھی تربیت ہو اور وہ اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو پہچان لے اور اپنی شخصیت کو اس ڈھب پر لے آئے کہ اس کے کردار میں اصلاحی پہلو نمایاں ہوں تو ایسا شخص معاشرے کی آنکھ کا تارا بن جاتا ہے اور معاشرے کے لیے ایک مفید ذریعہ ونمونہ بن جاتا ہے۔

تعمیر شخصیت یا کردار سازی کا قرآن کے ساتھ گہرا تعلق ہے قرآن کا موضوع انسان ہے اور وہ انسان کے تینوں اجزاء جسم، روح اور اوصاف پر بحث کرتا ہے۔ نزول قرآن کا مقصد ہی انسان کی اصلاح ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انسان کی اصلاح اور اس کے کردار کی تعمیر کے لیے ہر وہ اسلوب اختیار کیا جو انسان کی طبیعت اور مزاج کے مطابق ہے۔ قرآن کا انسان سے دنیا میں مقصود و مطلوب یہی ہے کہ وہ اللہ کی بندگی میں آجائے اور اپنے نفس کی اصلاح کر کے معاشرے کا مفید ترین حصہ بن جائے تاکہ دیگر افراد اس کے ہاتھ اور زبان سے محفوظ رہیں یہی وجہ ہے کہ کلام الٰہی پورے کا پورا مختلف اسلوب کے ساتھ انسانی تربیت کا مجموعہ ہے۔

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا۔

** پی ایچ ڈی اسکالر شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا۔

انسانی نفس کے لیے اللہ تعالیٰ نے مختلف ذرائع سے تعلیم وتربیت کا وہ اسلوب اختیار کیا جو انسانی ذہنوں کے قریب تر ہے اور وہ وسائل قائم کیے جن سے سرمو انحراف نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن کریم آسمانی کتابوں کی آخری کڑی ہے جو قیامت تک کے لیے ضابطہ حیات کی حیثیت رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب میں انسانی نفس کو موضوع بنا کر انسان کے وہ تمام محاسن و عادات کو بھی بیان کردیا جن سے انسانی شخصیت اور کردار کی تعمیر ہوتی ہے۔

توحید کا انسانی کردار سازی میں کردار: قرآن میں توحید کی آیات پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ توحید کے بیان سے انسان کے مطلوب کردار کو واضح کیا گیا ہے۔ سید قطبؒ لکھتے ہیں:

ومن وحدانية الألوهية التي يؤكدها هذا التأكيد، بشتى أساليب التوكيد، يتوحد المعبود الذي يتجه إليه الخلق بالعبودية والطاعة و تتوحد الجهة التي يتلقى منها الخلق قواعد الأخلاق والسلوك و يتوحد المصدر الذي يتلقى منه الخلق أصول الشرائع والقوانين ويتوحد المنهج الذي يصرف حياة الخلق في كل طريق۔ (۱)	الٰہیاتی وحدانیت جس کی تاکید مختلف طریقوں سے ہوتی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے اس معبود کی وحدانیت ثابت ہوتی ہے جس کی بندگی، اطاعت کے لیے مخلوق اپنا رخ کرتی ہے۔ یہ بھی کہ اس سے وہ تنہا سمت بھی متعین ہوتی ہے جس سے مخلوق، اخلاق وسلوک کی بنیادیں پاتی ہے اور اسی سے وہ سرچشمہ بھی ملتا ہے جہاں مخلوق شریعت اور قانون کے اصول حاصل کرتی ہے اور اسی سے وہ طریقہ واحدہ بھی ملتا ہے جو مخلوق کی زندگی میں ہر موڑ کو درست بناتا ہے

اسی طرح برادر سید قطب، محمد قطبؒ لکھتے ہیں:

طريقة الإسلام التربية هي شيئا ولا تغفل عن شيئي جسمة وعقلة وروحة ... حياته المادية والمعبودية، كل نشاطه على الأرض إنه يأخذ الكائن البشري كله ويأخذ على ماهو عليه،	اسلام کی تربیت کا طریقہ ایسا ہے جو جسم وعقل، روح اور مادی اور زندگی یا بندگی سے ذرا بھی غافل نہیں ہوتا۔ زمین پر زندگی کے ہر عمل کو وہ انسانی وجود کے تعلق سے دیکھتا ہے اور اس کی ذمہ داریوں کو سمجھتا ہے اور اس کے لیے وہ اللہ کی

بفطرته التی خلقه الله علیها ۔(۲) خلق کی ہوئی فطرت کو پیش نظر رکھتا ہے۔

قرآن میں وارد آیات توحید سے انسانی کردار میں درج ذیل اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

ما یصیب المسلم، من نصب ولا وصب، ولا هم ولا حزن ولا أذی ولا غم، حتی الشوکة یشاکها، الا کفر الله بها من خطایاه ۔(۳)

مومن کو جب بھی کوئی مرض تھکان بیماری یا کوئی غم حتی کہ کوئی فکر بھی لاحق ہوتی ہے تو یہ تمام چیزیں اس کے گناہوں کی معافی کا سبب بنتی ہیں۔

یقین وطمانیت: حامل توحید چونکہ اپنے رب پر یقین رکھتا ہے اور اس کے وعدو وعید پر ایمان لا چکا ہوتا ہے۔اس لیے اس کو توکل اور اعتماد کی دولت نصیب ہوتی ہے، وہ زندگی کے مصائب وسیآت سے مامون ہوجاتا ہے اور راہ ہدایت کی نعمت اس کے ساتھ ہوتی ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَھُمُ الْاَمْنُ وَ ھُمْ مُّھْتَدُوْنَ ۔(۴)

توحید کا اقرار اور اس پر یقین جن کو حاصل ہوتا ہے ان کے متعلق ابن تیمیہؒ کا یہ قول بھی بہت اہم ہے کہ:

والناس وإن کانوا یقولون بألسنتهم لا إله إلا الله فیقول العبد لها مخلصا من قلبه له حقیقة أخری ۔(۵)

لوگ اگرچہ اپنی زبانوں سے لاالہ الا اللہ کا اقرار کرتے ہیں، لیکن جو اللہ کا بندہ جو دل سے اور اخلاص سے کلمہ توحید کا اعلان کرتا ہے، اس کی حقیقت ہی کچھ اور ہے۔

ان کے شاگرد ابن قیمؒ اس حقیقت کو ایک ضمیر غائب کے حوالہ سے یوں بیان کرتے ہیں:

ما رأیت أحداً أطیب عیشًا منه قط مع ما کان فیه من ضیق العیش، وخلاف الرفاهیة والنعیم، بل ومع ما کان فیه من الحبس والتهدید، و الإرهاق، وهو مع ذلک من أطیب الناس عیشاً، وأشرحهم صدراً،

میں نے ان سے زیادہ کسی کو خوش گوار زندگی والا نہیں دیکھا، عیش وآرام کے برعکس زندگی کی تنگی تھی بلکہ قید وبند اور خوف کی باتیں تھیں، اس کے باوجود ان کی زندگی خوش گوار ترین تھی، جہاں سینہ کھلا ہوا اور دل مضبوط اور نفس مسرور تھا۔ان کے چہرہ پر شادمانی کی چمک تھی، ہم کو جب

وأقواهم قلباً، وأسرهم نفساً، تلوح نظرة النعيم علي وجهه، وكنا إذا اشتد بنا الخوف، وساءت منا الظنون، وضاقت بنا الأرض، أتيناه فما هو إلا أن نراه، و نسمع كلامه، فيذهب ذلک كله، و ينقلب انشراحاً وقوة ويقيناً و طمأنينة، فسبحان من أشهد عباده جنته قبل لقائه، وفتح لهم أبوابها في دارالعمل، فآتاهم من روحها و نسيمها وطيبها ما استفرغ قواهم بطلبها والمسابقة إليها..۔(۶)	زیادہ خوف ہوتا، طرح طرح کے گمان آتے، زمین تنگ محسوس ہوتی تو جب ہم ایسے عالم میں ان کو دیکھتے ان کی بات سنتے تو یہ ساری کیفیتیں دور ہوجاتیں اور دل کو انشراح، قوت، یقین اور طمانیت حاصل ہوجاتی۔ تو پاک ہے وہ ذات جو اپنی ملاقات سے پہلے اپنے بندوں کو جنت کا مشاہدہ کرادیتی ہے اور ان کے لیے دنیا ہی میں جنت کے دروازے کھول دیتی ہے، جس سے ایمان پرور ہوائیں اور خوشبوئیں آتی ہیں، جس سے جنت کی طلب اور طاقتور اور اس کی جانب جذبہ مسابقت اور بڑھ جاتا ہے۔

فکر سے آزادی اور شخصیت میں پختگی: انسانی کردار و شخصیت کے لیے انسان کے فکری و مادی مسائل کا حل یا مشکلات کے لیے مقابلہ کی طاقت ناگزیر ہوتی ہے توحید الٰہی سے انسانی کردار میں پختگی پیدا ہوجاتی ہے جو اسے قوت فیصلہ اور جرأت جیسا وصف عطا کرتی ہے۔ قرآن میں حضرت یونسؑ کے قصے میں ہے:

وَ ذَا النُّوۡنِ اِذۡ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنۡ لَّنۡ نَّقۡدِرَ عَلَيۡهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ ۔(۷)	اور مچھلی والے کو بھی ہم نے نوازا۔ یاد کرو جبکہ وہ بگڑ کر چلا گیا تھا اور سمجھا تھا کہ ہم اس پر گرفت نہ کریں گے۔ آخر کو اس نے تاریکیوں میں سے پکارا۔
فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنۡ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنۡتَ سُبۡحٰنَكَ اِنِّىۡ كُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ۔(۸)	آخر کو اس نے تاریکیوں میں سے پکارا، نہیں ہے کوئی خدا مگر تو، پاک ہے تیری ذات، بے شک میں نے قصور کیا۔

ایک اور جگہ قرآن میں ہے کہ:

فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ۔(۹)

جب یہ لوگ کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اس سے دعا مانگتے ہیں، پھر جب وہ انہیں بچا کر خشکی پر لے آتا ہے تو یکایک یہ شرک کرنے لگتے ہیں۔

ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

فما دفعت شدائد الدنيا بمثل التوحيد، ولذلك كان دعاء الكرب في التوحيد ودعوة المؤمن التي ما دعا بها مكروب إلا فرج الله كربه في التوحيد فلا يلقى في الكرب العظام إلا الشرك ولا ينجي منها إلا التوحيد فهذا مفزع الخليقة وملجؤها وحصنها وبياتها وبالله التوفيق۔(۱۰)

دنیا کے شدائد کو جتنا توحید دور کرتی ہے کوئی اور چیز نہیں کرتی اسی لیے دعائے کرب و بلا، توحید کی خوبی ہے مومن وموحد کی دعا غم کو دور کرنے کا باعث بنتی ہے اور بڑے غموں اور دکھوں کا سبب شرک ہے اور اس سے نجات دلانے والی توحید ہے۔ یہ مخلوق کی جائے پناہ ہے اس کی فصیل ہے اور حفاظت گاہ ہے۔

معاملہ فہمی: عقیدہ توحید سے انسان کے اندر معاملہ فہمی اور امور کی انجام دہی کا سلیقہ پیدا ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنے مقصد کو اپنے رب کی توحید کے ساتھ پہچان چکا ہوتا ہے اور وہ ہر کام کو تدبر و تفکر سے بجالاتا ہے۔ وہ اپنے خالق کی نافرمانی سے ڈرتا ہے اور اس کے عتاب سے بچنا چاہتا ہے اور وہ یہ بات اچھی طرح سمجھتا ہے کہ اس کے اعمال کی بنیاد ذات باری کے استحضار پر ہے لہٰذا وہ اپنے معاملات کو سنوارتا ہے جس کے نتیجے میں اس کی اندر معاملہ فہمی کا وصف پیدا ہوجاتا ہے۔ قرآن میں ہے:

وَ لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ۔(۱۱)

ہر شخص کا درجہ اس کے عمل کے لحاظ سے ہے اور تمہارا رب لوگوں کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔

نبی کریمؐ نے اس قوت کا ذکر فرمایا:

المومن القوی خیر و احب الی اللّٰہ من المومن الضعیف، وفی کل خیر

قوی مومن ضعیف مومن کی نسبت اللہ کے ہاں زیادہ پسندیدہ ہے اور ہر خیر میں اس کی آرزو کرو جو

احرص علی ما ینفعک، و استعن باللہ و لا تعجز، و ان اصابک شیٔ فلا تقل لو انی فعلت کان کذا و کذا، و لکن قل قدر اللہ و ما شاء فعل، فان لو تفتح عمل الشیطان۔(۱۲)

تمہارے لیے فائدہ مند ہو اور اللہ سے مدد طلب کرو اور تھک ہار کر نہ بیٹھو۔ اگر کچھ ہو جائے تو یہ نہ کہو کہ کاش میں یوں کر لیتا بلکہ اقرار کرو کہ اللہ نے جو چاہا وہی ہوا کیونکہ لفظ (لو) شیطان کے عمل کا دروازہ کھولتا ہے۔

جرات فکر اور حیرت ذات: انسان میں جرأت اور جسمانی و ذہنی حوصلہ و قوت کا سرچشمہ بھی عقیدۂ توحید ہے چونکہ ایک موحد سب کو چھوڑ کر ایک رب کی عبادت کرتا ہے تو باقیوں کا خوف اس سے خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔ شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں:

المشرک یخاف المخلوقین و یرجوھم فیحصل لہ رعب کما قال تعالی) سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا (۱۵۱) (سورۃ آل عمران أما الخالص من الشرک یحصل لہ الأمن کما قال تعالی:) الَّذِينَ ءامَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ (۸۲)(سورۃ الأنعام وقد فسر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الظلم ھنا بالشرک کما فی الحدیث۔(۱۳)

مشرک مخلوقات سے ڈرتا ہے اور ان سے توقعات بھی باندھتا ہے جس سے وہ ان کے رعب کا شکار ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: (سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا) (آل عمران: ۱۵۱) اور جو شرک سے آزاد ہوتا ہے اس کے لیے امن ہوتا ہے اور اللہ رب العزت فرماتے ہیں: (الَّذِينَ ءامَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ الخ)(الانعام: ۸۲) اللہ کے رسولؐ نے واضح فرمایا ہے کہ ظلم سے مراد یہاں شرک ہے۔

فعل الخیرات اور ترک منکرات پر تیار رہنا: عقیدۂ توحید کی کارفرمائی یہ بھی ہے کہ موحد انسان دوسرے سے بھلائی کے کاموں میں پیش پیش رہنے اور برائیوں کے ترک پر ہر وقت تیار رہتا ہے۔ یہ وصف کسی کے اندر موجود نہیں تو اس کی شخصیت کردار سے خالی ہو جاتی ہے۔ یہ خوبی اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب دل سے لا الہ الا اللہ کا اقرار کرے اور اس پر عمل کرے۔ ارشاد ربانی ہے:

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ۔(۱۴)	ایسا اس لیے کہ ہم اس سے بدی اور بے حیائی کو دور کردیں، درحقیقت وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے وہی ہیں جو برائی اور بے حیائی سے دور ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حامل توحید اگر کوئی غلط کام کررہا ہو اور اسے اس کی معصیت پر متنبہ کردیا جائے تو وہ فوراً اپنی اصلاح کرلیتا ہے اور اسی طرح اگر وہ کسی کو غلط کاموں میں مبتلا دیکھ لے تو اسے اس برائی سے روکنے اور بچانے کا فرض بھی انجام دیتا ہے۔ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

إنما يجد المشقة في ترك المألوفات والعوائد من تركها لغير الله أما من تركها صادقاً مخلصاً من قلبه لله، فإنه لا يجد من تركها مشقة إلا في أول وهلة، ليمتحن أصادق هو في تركها أم كاذب ۔(۱۵)	ایک وہ ہے جو غیر اللہ کے لیے مرغوبات اور رسوم کے ترک میں سخت دقت ومشقت سمجھتا ہے لیکن جس کا دل اللہ کے لیے صادق ومخلص ہے، ترک معاصی میں اس کو مشقت نہیں ہوتی، شروع میں کچھ دقت ہوتی ہے تو یہ آزمائش ہے کہ وہ ترک مالوفات میں سچا ہے یا جھوٹا۔

احساس ذمہ داری: عقیدۂ توحید کا ایک نتیجہ احساس ذمہ داری ہے، جس سے جان مال اور آبرو کی حفاظت کی ہمت وقوت حاصل کرتی ہے اور یہی جذبہ دوسرے مسلمانوں کی جان، مال اور آبرو کی حفاظت کا داعیہ پیدا کرتا ہے:

مَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَكَفَرَ بِمَا يُعْبَدُ مِنْ دُونِ اللهِ، حَرُمَ مَالُهُ، وَدَمُهُ، وَحِسَابُهُ عَلَى اللهِ ۔(۱۶)	جس نے لاالہ الااللہ کا اقرار کیا اور دوسرے معبود کا انکار کردیا اس کا مال اور خون حرام ہوگیا اور اس کا حساب اللہ پر ہے۔

تردد واضطراب کا خاتمہ: انسان کے باعمل اور بامقصد ہونے کے لیے اور زندگی کی ذمہ داریوں کو احسن طریق سے پورا کرنے کے لیے یکسوئی، اطمینان چاہیے اور تردد، اضطراب اور ذہنی تناؤ سے دوری چاہیے، عقیدۂ توحید اس صفت کے لیے کارگر ہے۔ اللہ واحد سے اخلاص کا تعلق وہ سکون قلب عطا کرتا ہے، جس کی وجہ سے سعادت وراحت کی دولت حاصل ہوجاتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَ لَا يَضُرُّنَا وَ نُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى۔(۱۷)

ان سے پوچھو کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر ان کو پکاریں جو نہ ہمیں نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان؟ اور جبکہ اللہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا چکا ہے تو کیا اب ہم الٹے پاؤں پھر جائیں؟ کیا ہم اپنا حال اس شخص کا سا کرلیں جسے شیطانوں نے صحرا میں بھٹکا دیا ہو اور وہ حیران و سرگرداں پھر رہا ہو دراں حالیکہ اس کے ساتھی اسے پکار رہے ہوں کہ ادھر آ یہ سیدھی راہ موجود ہے؟ کہو، حقیقت میں صحیح راہنمائی تو صرف اللہ ہی کی راہنمائی ہے۔

حدیث قدسی ہے:

إِنَّ اللّٰهَ قَالَ: مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ، وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ: كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا، وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ۔(۱۸)

بے شک اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : جو میرے دوست سے دشمنی کرتا ہے میں اس کے خلاف اعلان جنگ کر دیتا ہوں جن فرائض سے بندہ میری قربت حاصل کرتا ہے وہ مجھے سب سے زیادہ پسند ہیں اور میرا بندہ نوافل سے میری قربت تلاش کرتا رہتا ہے حتی کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، میں اس کا وہ کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، وہ آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، وہ ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور وہ پیر بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو اس کو ضرور دیتا ہوں اور مجھ سے پناہ کا خواست گار ہوتا ہے تو ضرور ہی اس کو پناہ دیتا ہوں۔

ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

فإن قُلتَ: بأی شیء أستعین علی التجرد من الطمع ومن الفزع؟ قُلتُ: بالتوحید، والتوکل علی اللّٰہ، والثقة باللّٰہ، وعلمک بأنه لا یأتی بالحسنات إلا ھو، ولا یذھب بالسیئات إلا ھو، وأن الأمر کله للّٰہ لیس لأحد مع اللّٰہ شئی۔(۱۹)

اگر تو کہے کہ میں کس چیز کی بناء پر طمع اور خوف دونوں سے مبرا ہونے کی مدد طلب کروں؟ تو میں کہوں گا توحید کی وجہ سے اور اللہ پر توکل کی وجہ سے اور اللہ سے تعلق کی بناء پر اور تو جانتا ہے کہ خوبیاں صرف اس کی توفیق سے ہیں اور اس طرح برائی سے بچنا بھی صرف اس کی توفیق سے ہے تمام تر معاملات اللہ کے لیے ہیں اور اللہ کے علاوہ کسی کے لیے کچھ نہیں ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یُدٰفِعُ عَنِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ خَوَّانٍ کَفُوْرٍ۔(۲۰)

یقیناً اللہ مدافعت کرتا ہے ان لوگوں کی طرف سے جو ایمان لائے ہیں۔ یقیناً اللہ کسی خائن کافر نعمت کو پسند نہیں کرتا۔

ابن رجبؒ فرماتے ہیں:

الإخلاص من صدق فی قول لا إله إلا اللّٰہ، لم یحب سواہ، ولم یرج سواہ، ولم یخش أحداً إلا اللّٰہ، ولم یتوکل إلا علی اللّٰہ، ولم یبق له بقیة من آثار نفسه وھواہ۔(۲۱)

اخلاص صدق دل سے توحید کے اقرار کرنے کا نام ہے اس کے علاوہ کسی سے محبت نہ کی جائے اور اس کے علاوہ کسی سے امید نہ رکھی جائے صرف اور صرف اللہ سے ڈرا جائے اور صرف اور صرف توکل اللہ پہ رکھا جائے اس کے نفسانی آثار و خواہشات کا نام و نشان نہ رہے محبت کرنے والا تو یہ تقاضا کرتا ہے کہ جب بھی کوئی کمی کوتاہی ہو تو اس کی تلافی کی جائے۔

عقیدہ رسالت کا انسانی کردار سازی میں کردار: توحید الٰہی کے اقرار کے بعد نبوت و رسالت پر ایمان فرض ہے۔ انسان توحید کی معرفت سے محروم ہے، اگر وہ رسول کی تعلیمات و ہدایات سے غافل ہے، یہ تب ہی ممکن ہے جب انسان اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں پر ایمان لائے۔ یہی ایمان و عقیدہ اس کی

سیرت کی تعمیر میں سب سے موثر کردار کا حامل ہے۔اس سلسلہ میں ان آیات قرآنی پر غور کرنا ضروری ہے:

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَه وَ اللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ۔(۲۲)

اے پیغمبر! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچا دو۔اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا، اللہ تم کو لوگوں کے شر سے بچانے والا ہے، یقین رکھو کہ وہ کافروں کو (تمہارے مقابلہ میں) کامیابی کی راہ ہرگز نہ دکھائے گا۔

الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَ يَخْشَوْنَه وَ لَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا۔(۲۳)

(یہ اللہ کی سنت ہے ان لوگوں کے لیے) جو اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں اور ایک خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، اور محاسبہ کے لیے بس اللہ ہی کافی ہے۔

وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِىْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَ مِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ فَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ۔(۲۴)

ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیج دیا، اور اس کے ذریعہ سے سب کو خبردار کر دیا کہ "اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو" اس کے بعد ان میں سے کسی کو اللہ نے ہدایت بخشی اور کسی پر ضلالت مسلط ہوگئی۔پھر ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہو چکا ہے۔

وَ مَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَ يُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْۤا اٰيٰتِىْ وَ مَاۤ اُنْذِرُوْا هُزُوًا۔(۲۵)

رسولوں کو ہم اس کام کے سوا اور کسی غرض کے لیے نہیں بھیجتے کہ وہ بشارت اور تنبیہ کی خدمت انجام دیں گے۔مگر کافروں کا حال یہ ہے کہ وہ باطل کے ہتھیار لے کر حق کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے ہیں اور انہوں نے میری آیات کو اور ان تنبیہات کو جو انہیں کی گئیں مذاق بنا لیا ہے۔

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّه حَيٰوةً طَيِّبَةً وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔(۲۶)

جو شخص بھی نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ ہو وہ مومن، اسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور (آخرت میں) ایسے لوگوں کو اُن کے اجر ان کے بہترین اعمال کے مطابق بخشیں گے۔

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَاىَ فَلَا يَضِلُّ وَ لَا يَشْقٰى۔(۲۷)

اور فرمایا تم دونوں (فریق، یعنی انسان اور شیطان) یہاں سے اتر جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے۔ اب اگر میری طرف سے تمھیں کوئی ہدایت پہنچے تو جو کوئی میری اس ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ بھٹکے گا نہ بدبختی میں مبتلا ہوگا۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِىْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْـًٔا وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔(۲۸)

اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے، ان کے لیے ان کے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کردے گا جسے اللہ تعالے نے ان کے حق میں پسند کیا ہے اور ان کی (موجودہ) خوف کی حالت کو امن سے بدل دے گا، بس وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں۔

اطاعت وفرماں برداری: عقیدۂ توحید کا ایک ثمرہ حق کو تسلیم کرنا اور اس پر عمل پیرا ہونا ہے۔ کسی بھی کردار کو پاکیزگی اور جلا اسی سے ملتی ہے کہ وہ حق بات پر کس درجہ عامل ہے، کامیاب اور با مقصد

زندگی کے لیے حق کی راہ میں سمع وطاعت سب سے موثر عنصر ہے۔ ان آیات سے یہی ثابت ہوتا ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَ مَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا۔(۲۹)

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل خدا کی اطاعت کی اور جو منہ موڑ گیا، تو بہرحال ہم نے تمہیں ان لوگوں پر پاسبان بنا کر تو نہیں بھیجا ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔(۳۰)

اے نبی! لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو، تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں کو درگزر فرمائے گا۔ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔(۳۱)

ایمان لانے والوں کا کام تو یہ ہے کہ جب وہ اللہ اور رسول کی طرف بلائے جائیں تا کہ رسول ان کے مقدمے کا فیصلہ کرے تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

عدل وانصاف: عدل وانصاف کی ترغیب کا مقصود بھی انسانی کردار میں عدل وانصاف کے عنصر کو اتارنا ہے اور یہ انصاف کی سمجھ اور اس کی اہمیت صرف توحید کے عقیدہ سے قائم اور پروان چڑھتی ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ

پھر اے محمد! ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب بھیجی جو حق لے کر آئی ہے اور الکتاب میں سے جو کچھ اس کے آگے موجود ہے اس کی تصدیق کرنے والے اور اس کی محافظ ونگہبان ہے۔ لہٰذا تم خدا کے نازل کردہ قانون کے مطابق لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو اور جو حق تمہارے پاس آیا ہے اس سے منہ موڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو، ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت اور ایک راہِ عمل مقرر

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۔(۳۲)

کی، اگرچہ تمہارا خدا چاہتا تو تم سب کو ایک امت بھی بنا سکتا تھا، لیکن اس نے یہ اس لیے کیا کہ جو کچھ اس نے تم لوگوں کو دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے، لہٰذا بھلائیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو، آخر کار تم سب کو خدا کی طرف پلٹ کر جانا ہے، پھر وہ تمہیں اصل حقیقت بتا دے گا جس میں تم اختلاف کرتے رہے ہو۔

احساس فنا: اس ازلی حقیقت کا استحضار کہ زندگی چند روزہ ہے، ایک دن سب کو اس زندگی کا لبادہ اتارنا ہے اور ایک ایسی نئی زندگی کا سامنا کرنا ہے جو دنیا کی زندگی کی طرح فانی نہیں، بلکہ اس میں ہمیشگی کی واقعیت ہے اور یہ کہ یہ پیغام فنا ہر ایک کے لیے ہے۔ یہ استحضار عقیدہ توحید ہی سے حاصل ہوتا ہے، حضرت ابراہیمؑ کی زبان سے نکلے یہ الفاظ قرآن مجید نے بڑی خوبصورتی اور تاثیر سے بیان کیے کہ:

وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَ يَسْقِيْنِ وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ وَ الَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ۔(۳۳)

جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔ جو مجھے موت دے گا اور پھر دوبارہ مجھ کو زندگی بخشے گا۔

استقامت: مصیبت اور آزمائش میں استقامت کی طاقت کا سرچشمہ بھی اسی عقیدہ توحید سے نکلتا ہے۔ بڑی سے بڑی مصیبت میں اللہ واحد پر نظر، اسی سے فریاد، اسی سے استقامت کی توفیق اسی کو ملتی ہے جس کے ذہن وقلب میں ایک اللہ کا یقین ہوتا ہے۔

وَ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّ اٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ ذِكْرٰى

یاد کرو، جبکہ ایوب نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے بیماری لگ گئی ہے اور تو ارحم الراحمین ہے۔ ہم نے اس کی دعا قبول کی اور جو تکلیف اسے تھی اس کو دور کر دیا اور اس کے اہل وعیال ہی اس کو نہیں دیے بلکہ ان کے ساتھ اتنے ہی اور بھی دیے،

لِلْعٰبِدِیْنَ ۔(۸۴) اپنی خاص رحمت کے طور پر، اور اس لیے کہ یہ
ایک سبق ہو عبادت گزاروں کے لیے۔

حواشی

(۱) سید قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، دار الشروق، القاہرہ ۱۴۱۲ھ، ۱/ ۱۵۲۔ (۲) محمد قطب، منہج التربیۃ الاسلامیہ، دار الشروق، القاہرہ، س ن، ص:۱۹۔ (۳) بخاری محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، مکتبہ ریاض الاسلام، الریاض، ۱۹۹۸ء، کتاب المرضی، باب ما جاء فی کفارۃ المرض، رقم الحدیث: ۵۶۴۱۔ (۴) الانعام ۶/ ۸۲۔ (۵) ابن تیمیہ، احمد بن عبدالحلیم، الفتاوی الکبری، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول، ۱۹۸۷ء، ۵/ ۲۴۳۔ (۶) ابن قیم، محمد بن ابی بکر، الوابل الصیب من الکلم الطیب، دار الحدیث، القاہرہ، الطبعہ الثالثہ، ۱۹۹۹ء، ۱/ ۴۸۔ (۷) الانبیاء ۲۱/ ۸۷۔ (۸) ایضاً۔ (۹) العنکبوت ۲۹/ ۶۵۔ (۱۰) ابن قیم، محمد بن ابی بکر، الفوائد دار الکتب العمیہ، بیروت، طبع ثانیہ، ۱۹۷۳ء، ۱/ ۵۳۔ (۱۱) الانعام ۶/ ۱۱۳۔ (۱۲) مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، دار احیاء التراث الاسلامی، بیروت، س ن، کتاب القدر، باب فی الامر قوۃ وترک العجز، رقم الحدیث: ۲۶۶۴۔ (۱۳) ابن تیمیہ، الفتاوی الکبری، ۵/ ۲۳۲۔ (۱۴) یوسف ۱۲/ ۲۴۔ (۱۵) ابن قیم، الفوائد، ۱/ ۱۰۷۔ (۱۶) مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الامر بقتال الناس حتی یقول لا الہ الا اللہ، رقم الحدیث: ۲۳۔ (۱۷) الانعام ۶/ ۷۱۔ (۱۸) صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع، رقم الحدیث: ۶۵۰۲۔ (۱۹) ابن قیم، الفوائد، ۱/ ۱۱۶۔ (۲۰) الحج ۲۲/ ۳۸۔ (۲۱) ابن رجب، عبدالرحمان بن احمد الحنبلی کلمۃ الاخلاص وتحقیق معناہا، المکتب الاسلامی، بیروت، الطبعہ الرابعہ، ۱۳۹۷ھ، ص ۴۵۔ (۲۲) المائدہ ۵/ ۶۷۔ (۲۳) الاحزاب ۳۳/ ۳۹۔ (۲۴) النحل ۱۶/ ۳۶۔ (۲۵) الکہف ۱۸/ ۵۶۔ (۲۶) صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنہ، باب الاقتداء بسنن الرسول اللہؐ، رقم الحدیث: ۷۲۸۳۔ (۲۷) النحل ۱۶/ ۹۷۔ (۲۸) طٰہٰ ۲۰/ ۱۲۳۔ (۲۹) النور ۲۴/ ۵۵۔ (۳۰) الشوریٰ ۴۲/ ۵۲۔ (۳۱) البقرہ ۲/ ۲۵۷۔ (۳۲) الجمعہ ۶۲/ ۲۔ (۳۳) النساء ۴/ ۸۰۔ (۳۴) آل عمران ۳/ ۳۱۔ (۳۵) النور ۲۴/ ۵۱۔ (۳۶) المائدہ ۵/ ۴۸۔ (۳۷) لانبیاء ۲۱/ ۷۔ (۳۸) الشعراء ۲۶/ ۷۹۔ ۸۱۔ (۳۹) البقرہ ۲/ ۸۷۔ (۴۰) الانبیاء ۲۱/ ۸۳۔ ۸۴۔ (۴۱) ابو یعلی، احمد بن علی، مسند ابی یعلی، دار المامون للتراث، دمشق، طبعہ اولی، ۱۹۸۴ء، ۶/ ۲۹۹۔ (۴۲) ہود ۱۱/ ۷۵۔ (۴۳) القلم ۶۸/ ۴۔ (۴۴) التوبہ ۹/ ۱۲۸۔

اخبار علمیہ

"میوزیم آف ماڈرن چائینز لٹریچر"

میوزیم آف ماڈرن چائینز لٹریچر شائیوانگ ضلع کی ایک سہ منزلہ عمارت میں واقع ہے۔ یہ عمارت ایک بڑے احاطہ میں واقع ایک باغ میں ہے۔ داخل ہوتے ہی لکڑی اور کانسے کے ۱۳ جدید چینی ادیبوں کے مجسمے ایک دوسرے سے قدرے فاصلہ پر نصب ہیں۔ اس میوزیم میں مطبوعہ کتابیں، مسودات، ترجمے، مکتوبات، ڈائریاں، کیسیٹ ٹیپ، ویڈیو ٹیپ، تصویریں، نشریے، تبصرے، رسائل اور دیگر بیش قیمت اور نادر اشیا ترتیب اور قرینے سے اس طرح رکھی گئی ہیں کہ اس سے چینی ثقافت کی منہ بولتی تصویر نگاہوں میں پھر جاتی ہے۔ چائینز رائٹرس ایسوسی ایشن کے صدر باجن نے ۲۰/اپریل ۱۹۸۱ءکو اس کام کا آغاز کیا۔ ۱۹۸۵ء میں اس کی باقاعدہ افتتاحی تقریب منعقد ہوئی۔ ۲۳/مئی ۲۰۰۰ء کو یہ میوزیم عوام کے لیے کھولا گیا۔ اس میوزیم کے قیام کے سلسلہ میں باجن نے جو مضامین اور حکومت کے مختلف شعبوں کو جو مکاتیب تحریر کیے، وہ آج اس میوزیم کی زینت ہیں۔ بڑے ہال میں چینی مٹی کے دو لمبے گلدانوں پر پانچ ہزار سے زائد ممتاز چینی ادیبوں کے دستخط ہیں جنہیں چینی حروف تہجی میں ادیبوں کے سرنیم کے اعتبار سے مرتب کیا گیا ہے تاکہ پسندیدہ ادیبوں کے دستخط آسانی سے تلاش کیے جاسکیں، نیچے اور اوپر کے ہالوں میں متعدد ادیبوں کے گزشتہ سو سال کے ادبی کارناموں کو پیش کیا گیا ہے۔ تیسری منزل پر چینی ادیبوں کی کتابوں پر مشتمل ایک بک بینک بنایا گیا ہے۔ ایک تاریک کمرے میں شیشے کی گھومنے والی میز پر کتابوں اور سی ڈیز کے ٹائٹل، تھری ڈی ایفکٹس کے ساتھ چلتے نظر آتے ہیں۔ ان کے روشن عکس سے پورے کمرے میں اجالا رہتا ہے۔ ہانگ کانگ، مکاؤ، تائیوان اور دیگر ممالک کی مطبوعات اور مسودات بھی نمائش کے لیے رکھے گئے ہیں، اس وقت میوزیم میں کتابوں، اخباروں، رسالوں، مسودات، سی ڈیز، تصاویر، خطوط، خطاطی کے نمونوں اور دیگر ادبی اشیا کی تعداد ۵۰ ہزار سے زائد ہے۔ ۲۰ ہزار جدید اور ہم عصر مصنّفین کے مسودے بھی اس میوزیم میں رکھے ہیں۔ (جناب ف۔ س اعجاز کے سفر نامہ چین انقلاب ۲۳/جنوری ۲۰۱۷ء سے ماخوذ)

”خلا میں شمسی توانائی پیدا کر کے زمین میں اس کے استعمال کا منصوبہ“

جاپانی سائنس دانوں نے کھمبوں اور تاروں کے بغیر خلا میں شمسی توانائی پیدا کرنے کا نیا طریقہ تلاش کرلیا ہے، جس کے مطابق بغیر تار کے بجلی زمین پر لائی جائے گی۔ اس نظام کو کامیاب بنانے کے مقصد سے انہوں نے گذشتہ برس ہی ایک تجربہ کرلیا تھا اور ۱۰۸ کلوواٹ بجلی مائیکرو ویوز کے ذریعہ ۵۵ میٹر دور بھیجی تھی۔ اس بجلی سے ایک الیکٹرانک کیتلی چلائی جاسکتی ہے۔ جاپان ایرو اسپیس ایکسلپوریشن ایجنسی کے ایک ترجمان کا کہنا ہے کہ اب سائنس داں ٹیکنالوجی کے اس راستے پر ہیں جس پر چلتے ہوئے شمسی توانائی تو پیدا خلا میں کی جائے گی لیکن اس کا استعمال زمین پر کیا جائے گا۔ ان کے بیان کے مطابق اس سلسلہ کا سب سے مشکل کام توانائی کو ایک جگہ جمع کر کے اس کو دوسری جگہ منتقل کرنا تھا اور اس میں انہیں کامیابی حاصل ہوچکی ہے۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ زمین کے برعکس خلا میں شمسی توانائی پیدا کرنے کے فوائد زیادہ ہیں۔ اس نئے نظام سے موسم اور وقت کی قید کے بغیر مستقل بنیادوں پر توانائی کے حصول کو ممکن بنایا جائے گا۔ اس کے لیے خلا میں بڑے شمسی پینلز چھوڑے جائیں گے جو شمسی توانائی کو جمع کر کے زمین پر منتقل کریں گے۔ پینلز کے ساتھ اینٹینے ہوں گے جو زمین سے ۳۶ ہزار کلومیٹر کے فاصلہ پر ہوں گے۔ اس منصوبہ پر گذشتہ دس سال سے کام جاری ہے جس کو مکمل ہونے میں ابھی متعدد برس لگیں گے۔ ابتدائی اندازے کے مطابق ۲۰۴۰ء تک خلا سے وائرلیس توانائی زمین تک پہنچ سکے گی۔ واضح ہو کہ خلا میں شمسی توانائی پیدا کرنے کا خیال سب سے پہلے ۶۰ کی دہائی میں امریکی سائنس دانوں نے پیش کیا تھا لیکن اس منصوبہ پر عمل آوری اور سرمایہ کاری جاپان نے ۲۰۰۹ء میں شروع کردی تھی۔ (تفصیل منصف حیدرآباد، ۳؍جنوری ۲۰۱۷ء میں دیکھی جاسکتی ہے)

”طویل العمری کے طریقہ کی تلاش“

سائنس دانوں نے طویل العمری کی ایک ترکیب دریافت کرنے کا دعویٰ کیا ہے اور امید جتائی ہے کہ اس ٹیکنک سے ایسے نئے طریقۂ علاج کو ترقی دی جاسکتی ہے، جو صحت کو مزید بہتر بنانے اور لمبی عمر عطا کرنے میں معاون ہوگا۔ پتہ چلا کہ جنیاتی سطح پر جو سل (جرثومے) بڑھاپے کے ذمہ دار ہوتے ہیں، ان ہی کو صحت اور زندگی کی رفتار مزید بڑھانے کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ سائنس دانوں

کا کہنا ہے کہ ممکنہ بڑھاپا ایک ہی سمت میں سفر کرنے والا عمل نہیں ہے بلکہ اس سمت سفر کے پچھلے ہونے کے سبب ہوشیاری سے اس کو کسی دوسری سمت بھی موڑا جا سکتا ہے۔تحقیق کے مطابق جدید معاشرہ میں لوگ پہلے کے مقابلہ میں زیادہ جی رہے ہیں اور ساتھ ہی زیادتی عمر کے سبب ہونے والی بیماریوں اور مشکلات کا خطرہ بھی مول لے رہے ہیں،اگر جینیاتی سطح پر بڑھاپے کے عمل کو روک دیا جائے تو ان ممکنہ بیماریوں اور خطرات سے بہ آسانی نمٹا جا سکتا ہے۔(واشنگٹن ایجنسی،بحوالہ ہندوستان ہندی،۱۷؍دسمبر ۲۰۱۶ء)

”گلشن کرشمہ ساز“

دبئی میں قدرتی پھولوں کا دنیا کا سب سے بڑا باغ لگایا گیا ہے۔اس میں متعدد قسم کے ۴۵ ملین سے زیادہ پھول ہیں اور یہ ۷۲ ہزار میٹر مربع پر محیط ہے۔پھولوں کے اس باغ میں پھولوں سے اہرام،دل،گھر اور مشہور اماراتی جہاز A380 اس طرح تیار کیے گئے ہیں کہ وہ اپنی نشو و نما کے دوران وہی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔پھولوں کے اس باغ کی حیرت انگیز تزیین کاری کے سبب زائرین کو زمین پر جنت کا گمان ہوتا ہے۔اسی لیے اس باغ کو ”حدیقۂ معجزہ“ یعنی معجزہ گارڈن کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔اس کی متعدد تصویریں نٹ پر دیکھی جا سکتی ہیں۔(العربیہ ڈاٹ نٹ،۱؍۱؍۲۰۱۷ء،”انااری“)

”امریکہ میں مقیم ہندوؤں میں تعلیم کی شرح سب سے زیادہ“

تعلیم اور مذہب کے حوالے سے پیو ریسرچ سنٹر نے اپنی تازہ رپورٹ میں کہا ہے کہ عالمی سطح پر یہودی اوسطاً ۴ء۱۳ سال تک باقاعدہ اسکولوں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں،جب کہ عیسائیوں میں یہ اوسط ۳ء۹ اور ہندوؤں اور مسلمانوں میں ۶ء۵ فیصد ہے۔اسی رپورٹ میں ایک دلچسپ خبر یہ بھی ہے کہ مغربی ممالک میں مقیم دوسرے ملکوں کی مذہبی اقلیتوں میں مقامی باشندوں کے بالمقابل حصول علم کا رجحان زیادہ پایا جاتا ہے۔مثال کے طور پر امریکہ میں مقیم ہندوؤں میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کی شرح سب سے زیادہ یعنی ہندو ۹۶ فیصد،یہودی ۷۵،مسلمان ۵۴،بدھ ۵۳ ہیں فیصد،عیسائی ۳۶ فیصد سب سے کم ہیں۔(بحوالہ افکار ملی،جنوری ۲۰۱۷ء،ص ۵۵)

ک،ص اصلاحی

معارف کی ڈاک

نوائط، چند اور گزارشات

بھٹکل۔

مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

معارف اکتوبر ۲۰۱۵ء کے شمارے میں ڈاکٹر راہی فدائی صاحب کے قلم سے نوائط برادری سے تعلق رکھنے والے ایک بزرگ مولانا فخر الدین میلاپوریؒ کے حالات پر ایک مضمون شائع ہوا تھا، فدائی صاحب کا بھارت کے ان معدودے اہل قلم میں شمار ہوتا ہے جو جنوبی ہند کی قدیم علمی و دینی شخصیات کے حالات زندگی پر نظر رکھتے ہیں، انہیں عربی کے ساتھ ساتھ فارسی زبان پر بھی خوب درک حاصل ہے، جس کی وجہ سے وہ تاریخ ہند کی گمشدہ کڑیوں پر روشنی ڈالنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔ یوں تو ان کا نوائط برادری سے کوئی نسبی تعلق نہیں ہے۔ گزشتہ سات آٹھ صدیوں کے دوران ویلور، ارکاٹ، چنئی، حیدرآباد، بیجاپور، بیدر وغیرہ علاقوں میں گزرنے والے جن علماء اور اہل دل بزرگان دین کے حالات ان تک پہنچے ہیں، ان میں نوائط قبیلہ سے انہیں یک گونہ لگاؤ سا ہو گیا ہے۔ اسی جذبہ نے انہیں چنئی کے ایک فراموش شدہ بزرگ کے حالات زندگی منظر عام پر لانے پر آمادہ کیا ہے۔ انہوں نے اپنی تحقیق کے دوران گزشتہ دو سو سال سے مختلف جلیل القدر علماء کی کتابوں میں رائج امام طبریؒ کی طرف منسوب ایک عبارت کا حوالہ دیا ہے، اس انتساب کے غلط ہونے کے تعلق سے ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی صاحب کے معارف میں اب تک تین مراسلے و مضامین شائع ہو چکے ہیں، جن میں سے آخری گزشتہ ماہ جنوری کے شمارے میں شائع ہوا۔ ہمیں ڈاکٹر اصلاحی صاحب کی تحقیق پر کچھ کہنا نہیں ہے، موصوف بڑے عالم فاضل آدمی ہیں، علمی تحقیق و جستجو کے جو مواقع اور وسائل انہیں حاصل ہیں، جنوبی ہند کے دور دراز کونے میں بیٹھے اہل قلم ان کا خواب ہی دیکھ سکتے ہیں۔

چونکہ قبیلہ نوائط کا تذکرہ چل رہا ہے اور بحث اس نکتے پر چل پڑی ہے کہ اہل نوائط کے ہاشمی ہونے کی نسبت ثابت نہیں ہوتی، تو ایک عام قاری کا ذہن اس طرف جاتا ہے کہ انہوں نے بھی دوسروں

کی دیکھا دیکھی معاشرے میں اپنی حیثیت جتانے کے لیے خود کو ہاشمی یا عربی النسل بنا کر اپنا قد اونچا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہماری رائے میں اصل مسئلہ یہ نہیں ہے۔

دراصل مورخین نے قبیلہ نوائط کے اسی پہلو پر اپنی توجہ مرکوز کر کے اسلامی تاریخ کے ساتھ بڑا ظلم کیا ہے اور اس کی وجہ سے عہد وسطی کی اسلامی تاریخ کی بہت سی اہم کڑیاں گم ہوگئی ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسی پہلو پر چند اہم نکات کی جانب قارئین کی توجہ مبذول کی جائے، ممکن ہے اس کے طفیل تاریخ کے چند تاریک پہلوؤں پر تحقیق کا کام آگے بڑھے۔ اس تحقیق کی اہمیت اس لیے بھی زیادہ ہے کہ اس کا تعلق براہ راست مسلمانوں کے عروج و زوال کی داستان سے بھی ہے۔

قبیلہ نوائط کے افراد اس وقت جنوبی ہند کے مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس قبیلہ کا اصل مرکز ریاست کرناٹکا کا ساحلی علاقہ ہے جو (کنیرا) کہلاتا ہے۔ یہاں پر بھٹکل کا قصبہ اس قبیلہ کا گڑھ ہے۔ جہاں ایک اندازے کے مطابق چالیس ہزار نوائط آباد ہیں۔ اس علاقے کے نوائط جو زبان بولتے ہیں وہ (نائطی) کہلاتی ہے۔ جس میں کوکنی، مراٹھی زبانوں کے لب و لہجے کا غلبہ ہے، لیکن اس میں عربی فارسی کے الفاظ بھی پائے جاتے ہیں۔ اردو اور ہندی میں جو فرق پایا جاتا ہے تقریبا وہی فرق نائطی اور مقامی زبانوں کا ہے، ان حضرات کی اپنی مخصوص ثقافت اور اجتماعی نظام ہے، یہ تلاش معاش اور تجارت کے لیے دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں، یہ حضرات بھٹکل کی نوائط برادری ہی میں شادی بیاہ کرتے ہیں اور اپنا اصل مکان بھٹکل ہی میں رکھتے ہیں۔ بھٹکل میں محکمہ شرعیہ کی روایت سات آٹھ سو سال قبل جب یہ آئے تھے تب سے قائم ہے۔ یہ کورٹ کچہری میں مقدمہ بازی نہیں کرتے۔ ان کا تعلیمی تناسب سو فیصد ہے۔ سولہویں صدی عیسوی کے وسط سے بیسویں صدی کے آغاز تک یہ افراد تاریخ کی گمنامی میں رہے۔ لیکن گزشتہ ایک صدی کے دوران ان میں معاشرتی اور تعلیمی انقلاب آیا ہے۔ یہاں معروف قبائلی سرداری نظام نہیں پایا جاتا۔ منیری، رکن الدین، محتشم، شاہ بندری، خطبی وغیرہ خاندانی القاب کی نسبت ان کی اہم شناخت ہے، جو برصغیر میں عموما ناپید ہے۔ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا دور طالب علمی سے یہاں کے لوگوں سے تعلق رہا ہے۔ ۱۹۶۷ء میں پہلی مرتبہ یہاں ان کی تشریف آوری ہوئی، اس کے بعد سے اتنی بار یہاں آئے کہ فرماتے تھے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ سے زیادہ وہ کسی دوسرے شہر میں اتنی مرتبہ نہیں گئے۔ بار بار کہتے تھے کہ یہاں کے لوگوں میں جزیرہ نمائے عرب سے

تعلق کا جو احساس ہوتا ہے وہ کہیں اور نہیں ہوتا۔

کینرا سے باہر جو لوگ نوائط سے نسبت رکھتے ہیں ان کا کینرا کے نوائط سے نسبی و ثقافتی تعلق باقی نہیں رہا ہے۔ الا یہ کہ سب امام شافعی کے مسلک کی اتباع کرتے ہیں لیکن ان میں اہل علم اور بزرگان دین تسلسل کے ساتھ اور لاتعداد پائے جاتے ہیں۔ ان کے بزرگان سے ہم نے خود بالمشافہ سنا کہ ان کے آباء و اجداد بھٹکل سے تعلق رکھتے تھے۔ بطور نمونہ چند کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مخدوم علاء الدین المہائمیؒ غالباً اس قبیلے کے اولین بزرگوں میں ہیں۔ اس قبیلے کے اہل علم حضرات کے دو کتب خانوں کتب خانہ محمدیہ چنئی اور کتب خانہ سعیدیہ حیدرآباد دکن کو یکجا کیا جائے تو شاید برصغیر میں مخطوطات کا سب سے بڑا کتب خانہ شمار ہو۔ اس میں جہاں گیر سے اب تک اس قبیلے سے وابستہ شاہی فرامین محفوظ ہیں۔ ان کتب خانوں کا مالک خانوادہ قاضی بدرالدولہ غالباً برصغیر کا واحد خانوادہ ہے جس میں گزشتہ پچیس پشتوں سے سند کے ساتھ مسلسل علم و قضاء کی روایت چلی آرہی ہے۔ قاضی بدرالدولہ کی کتاب فوائد بدریہ اردو میں سیرت پر سب سے پہلی کتاب شمار ہوتی ہے۔ مولانا باقر آگاہ ویلوری ہندوستان میں امام ابن تیمیہؒ کی کتابیں لانے والے پہلے عالم اور عربی سے اردو کے مترجم ہیں۔ مولانا محمد غوث مدراسی کی کتاب (نثر المرجان فی نظم رسم القرآن) قرآن کے املا پر سب سے بڑی کتاب سمجھی جاتی ہے۔ مدینہ منورہ اور دبئی، کویت وغیرہ سے جو مصاحف شائع ہوئے ہیں ان میں اس کتاب کی اہم مرجع کی حیثیت رہی ہے۔ ڈاکٹر محمد یوسف الدین اسلامی اقتصادیات پر ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کرنے والے پہلے محقق ہیں۔ ڈاکٹر محمد حمیداللہ حیدرآبادی۔ ڈاکٹر نصیرالدین ہاشمی مصنف دکن میں اردو، محمد یوسف کوکن عمری، مصنف سیرت ابن تیمیہ، اسی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔

ہماری ناقص رائے میں قبیلہ نوائط کے عربی النسل ہونے کی شہرت کی وجہ سے عربی مراجع اور تاریخوں میں اس کی اصل کی کھوج پر ساری توجہ اور دوسری زبانوں کے علمی ذخیروں سے استفادے سے عدم توجہی اور بھٹکل سے نکلے ہوئے نوائط کے زیادہ تر مسلم سلطنتوں میں قاضی اور محاسب وغیرہ منصبوں پر فائز رہنے اور تجارت سے ان بزرگوں کی بے تعلقی کی وجہ سے نہ صرف برصغیر بلکہ یورپ کی عروج اور عالم اسلام کے زوال کے بہت سے گوشے نظروں سے چھپ گئے اور اس قبیلے کی تاریخ پدرم سلطان بود تک سمٹ کر رہ گئی، جو علم و تحقیق کا بہت بڑا نقصان ہے۔ اس ضمن میں چند اشارے مناسب

معلوم ہوتے ہیں۔

ہمارے علم کی حد تک شہر بھٹکل اور یہاں کے عرب حکمران کا تذکرہ سب سے پہلے ویٹیکن کے عیسائی کیتھولک مبلغ فریر جورڈانوس نے اپنے سفرنامے میں کیا ہے۔ یہ مبلغ ۷۳۰ھ/ ۱۳۳۰ء کے آس پاس بھٹکل اور اطراف میں دس کیتھولک مبلغوں کے ساتھ آیا تھا، پرتگالی مورخین کا کہنا ہے کہ اس سے قبل ہندوستان میں کیتھولک عیسائیوں کا وجود نہیں ملتا، یہاں پر سینٹ تھوماس کو ماننے والے سیرین چرچ کے متبعین پائے جاتے تھے، نامعلوم حالات میں سلطنت وجے نگر کے علاقے میں ان کا قتل ہوا، جس کے ڈیڑھ سو سال بعد ۱۴۹۸ء میں پرتگالیوں کے آمد کے ساتھ کیتھولک عیسائیوں کا غلبہ یہاں شروع ہوا۔

ابن بطوطہ ۷۰۳ھ/ ۱۳۰۴ء نے جس سلطنت ہنور کا تذکرہ کیا ہے اس کے بارے میں مورخین کا اتفاق ہے کہ یہ عرب سے نو وارد قبیلے نوائط کی پہلی آبادی تھی اور یہ کہ بھٹکل کا عروج ابن بطوطہ کی آمد کے پچاس سال بعد ہوا۔

پرتگالی نامہ نگار جاوڈی بیروس جس نے ۱۴۹۸ء تا ۱۵۳۵ء کے حالات کی شہنشاہ عمانویل اول کے حکم سے نامہ نگاری کی تھی، اس کا کہنا ہے کہ بھٹکل سلطنت وجے نگر کا باج گذار تھا اور مشرق میں وشاکھا پٹم کی بندرگاہ سے بحر عرب تک اس کے ماتحت آٹھ بندرگاہوں میں بھٹکل کی بندرگاہ سب سے اہم اور بڑی بندرگاہ تھی۔ اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ ۱۴۶۹ء میں بھٹکل اور ہنور میں مسلمانوں کے قتل عام کے بعد بھٹکل کے نوائط نے (گوا) اور (راندیر۔ گجرات) کے دو ساحلی شہر آباد کیے اور اپنی تجارت یہاں منتقل کی۔ گوا جو بعد میں مشرق کا (ویٹیکن) بنا، سو فیصد مسلم آبادی کا شہر تھا۔ وجے نگر کے حکمران خاندان کے تبدیلی کے ساتھ دوبارہ بھٹکل کے ڈانڈے خلیج عرب اور یمن کی بندرگاہوں سے ہوتے ہوئے یورپ تک پہنچ گئے۔

۱۴۹۲ء میں سقوط اندلس کے بعد جب پاپائے روم کی سرپرستی میں اندلس کو تقسیم کرکے (اسپین) اور (پرتگال) کے نام سے دو سلطنتیں وجود میں آئیں اور انہیں مغرب اور مشرق پر قبضے کا ٹاسک دیا گیا تو چھ سال کے اندر پرتگالی سامراج کا فرستادہ (واسکوڈی گاما) ہندوستان کے ساحلوں تک پہنچ گیا۔ مورخین نے گاما کے اولین سفر کا تلاش ہند میں کامیابی کی حیثیت سے خوب تذکرہ کیا ہے،

لیکن اس کے دوسرے سفر جس سے صلیبی اور مغربی سامراج کا آغاز ہوتا ہے اس کو سرے سے فراموش کر دیا ہے۔جس کی وجہ سے مسلمانوں کے زوال اور صلیبی یورپ کے عروج کی اہم کڑی تاریخ سے چھوٹ گئی ہے۔

واسکوڈی گاما نے ۱۵۰۲ء میں اپنے دوسرے سفر میں وہ اپنے ساتھ مسلم بندرگاہوں پر قبضہ کرنے اور عربوں کی تجارت کو ہندوستان سے کاٹنے اور اس پر پرتگال کی اجارہ داری قائم کرنے کے لیے گولہ بارود اور دو ہزار فوجی ساتھ لایا تھا،اس سفر کے آغاز میں بھٹکل بندرگاہ پر حملے کے بعد معاہدہ ہوا وہ سامراجی تاریخ کا سب سے پہلا معاہدہ مانا گیا ہے۔اسی سفر میں واپسی پر بھٹکل کے سامنے بیس کلومیٹر فاصلہ پر واقع جزیرہ نتھرا میں اس نے شہنشاہ عمانویل اول کی ٹوپی اور اس کی زرہ کو ایک صلیب پر لٹکا کر اعلان کیا کہ شہنشاہ عمانویل اب دنیا کے بحر اعظموں کا بادشاہ ہے،اس سے پروانہ راہ داری حاصل کیے بغیر اب دنیا کے سمندروں میں کوئی جہاز نہیں چل سکتا۔

۱۵۱۰ء میں نوائط کے آباد کردہ ساحلی شہر گوا پر پرتگالیوں نے قبضہ کیا،یہاں پر اندلس کی پوری داستان من وعن دہرائی گئی اور یہ شہر مکمل طور پر مسلمانوں سے خالی کر دیا گیا اور اسے ویٹیکن کے بعد عیسائیوں کے مقدس شہر کا درجہ دیا گیا۔

۱۵۱۵ء میں فاتح گوا (ڈلبوقرق) نے خلیج عرب کے دہانے پر واقع (سلطنت ہرمز) پر قبضہ کیا اور شہنشاہ عمانویل کا فرمان سنایا کہ جو بھی جہاز بھٹکل کی بندرگاہ کی طرف روانہ ہوگا،اس کا سامان لوٹا جائے گا اور اس کے جہاز رانوں کو قتل کر کے سمندر میں ڈبو دیا جائے گا۔وہ دن ہے اور آج کا دن مسلمانوں کی مغلوبیت کی داستان ختم ہونے کو نہیں آرہی ہے۔

اور دیکھیے تاریخ کیسے بھلائی اور مسخ کی جاتی ہے کہ ۱۹۲۷ء میں In Quest of Spices کا مصنف سونیا۔ای۔ہاو،پیرس میں بیٹھ کر لکھتا ہے کہ (ہندو اور مسلمان دونوں ڈلبوقرق کا برابر احترام کرتے تھے۔اس کی انتظامیہ کو عدل اور انصاف پسند سمجھتے تھے اور مسلمان یہاں تک کہتے تھے کہ عظیم ڈلبوقرق حقیقی موت نہیں مرا بلکہ اللہ تعالی نے اسے جوار رحمت میں بلا لیا ہے تاکہ اسے فرشتوں کا سردار بنائے)۔

ڈلبوقرق وہی ہے جس نے انکارٹا انسائیکلوپیڈیا کے مطابق گوا کی جامع مسجد کو عیسائیوں کا

مقدس ترین گرجا Basilica of Bom Jesus بنایا۔ قبر اطہر سے حضور اکرمؐ کے جسد مبارک کو نکال کر بے حرمتی کرنے اور صفویوں کے ساتھ مل کر مکہ مکرمہ پر قبضہ کرنے کی سازش کی۔

گزشتہ کئی سالوں سے ذہن میں خاکہ ہے، سقوط اندلس کے حالات پر لکھا جائے، اس ضمن میں نوائط اور موپلا کا بھی تذکرہ ہو کیونکہ ان کے تذکرے کے بغیر یہ داستان نامکمل ہے۔ مواد جمع ہے، دیکھیے ترتیب دینا کب نصیب میں لکھا ہے۔

(جناب) عبدالمتین منیری
ammuniri@gmail.com

چند اغلاط کی تصحیح

۳۱/دسمبر ۲۰۱۶ء
گیان پور

مکرمی سلام مسنون

افسوس کے ساتھ تعجب بھی ہے کہ میرا پچھلا عریضہ نہیں ملا، خیر اپنی گزارشات مع اضافہ کے دوبارہ عرض کرتا ہوں۔ ستمبر کے معارف میں صفحہ ۱۳۶ سطر ۷ ’’بانس ضلع رائے بریلی (؟)‘‘ جائس ضلع رائے بریلی ہونا چاہیے۔ اسی صفحہ پر سطر ۱۳ میں ’’سہیل پریس پاکستان چوک کراچی‘‘ یہ کراچی میں پاکستان چوک ہے یا سہیل پریس چوک کراچی پاکستان ہے؟ پاکستانی لوگ یا خود مضمون نگار بتا سکتے ہیں۔ اسی طرح صفحہ ۱۴۶ سطر ۱۱ پر ’’۱۵۰۰ سوتھی‘‘ یہ ۱۵۰۰ تھی یا ۱۵ سوتھی ہونا چاہیے۔

اکتوبر میں فہرست مضامین کی سطر ۱۰ میں ’’امام الحسن کرخی کا اصول‘‘ جب کہ مقالہ ’’امام ابوالحسن کرخی کا اصول ہے‘‘۔

دسمبر میں ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی صاحب صفحہ ۴۴۸ سطر ۳ پر لکھتے ہیں ’’تیسرے بھائی مالک کے دو بیٹے تھے فہر اور حارث، حارث کے کوئی اولاد نہیں تھی، جب کہ اس سے پہلے صفحہ ۴۴۶ سطر ۹ میں عربی اور اس کے ترجمہ میں ہے۔ ’’عمرو بن الحارث بن مالک‘‘ اور یہی بات صفحہ ۴۴۷ سطر ۴، نیز سطر ۱۴۔۱۵ میں بھی ہے دونوں میں سے کون سی بات صحیح ہے؟

والسلام

(جناب) شاہ ظفر الیقین
Mob:9450255568

باب التقریظ والانتقاد

تذکرۂ آفتاب عالمتاب

(ایرانی اشاعت ۲۰۱۴ء پر ایک نظر)

ڈاکٹر عارف نوشاہی*

برصغیر پاک و ہند میں تذکرہ نویسی کی روایت جس قدر قدیم ہے اسی قدر ہمہ گیر اور مسلسل بھی۔ فارسی شعرا کے دستیاب پہلے تذکرے لباب الالباب (تصنیف: تقریباً ۶۱۷ھ/ ۱۲۲۰ء) کو محمد عوفی بخاری نے موجودہ پاکستانی پنجاب کے اس علاقے میں بیٹھ کر لکھا جو اُچ کہلاتا ہے۔ تب سے اب تک، اس برعظیم میں فارسی شعرا کے انواع و اقسام کے تذکرے تصنیف ہو چکے ہیں جن کی تفصیل ڈاکٹر سید علی رضا نقوی کی کتاب تذکرہ نویسی فارسی در ہند و پاکستان (تہران، ۱۳۴۲ شمسی) اور احمد گلچین معانی کی کتاب تاریخ تذکرہ نویسی فارسی (تہران، ۵۰-۱۳۴۸ شمسی) میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ تذکرہ نگاری میں برصغیر کا یہ امتیاز بھی رہا کہ یہاں تراجم شعرا کی تعداد کے اعتبار سے ضخیم اور مبسوط تذکرے لکھے گئے ہیں۔ پاکستان کے ایک نامور فارسی محقق حسام الدین راشدی (۱۹۱۱-۱۹۸۲ء) نے ایسے تذکروں کی تعداد شعرا کے ساتھ ایک فہرست دی ہے۔ (اگرچہ تعداد تراجم میں کمی و بیشی ممکن ہے):

صحف ابراہیم (خلیل)، تعداد شعرا ۳۲۷۸۔

مخزن الغرایب (احمد علی)، تعداد شعرا ۳۱۴۸۔

عرفات العاشقین (اوحدی)، تعداد شعرا ۳۰۰۰۔

ریاض الشعرا (والہ)، تعداد شعرا ۲۵۰۰۔

ریاض العارفین (آفتاب رائے)، تعداد شعرا ۲۱۵۷۔

مجمع النفایس (آرزو)، تعداد شعرا ۱۷۳۵۔

---

* ادارۂ معارف نوشاہیہ، اسلام آباد۔

یہ فہرست درج کرنے کے بعد راشدی صاحب نے ایک فکر انگیز تبصرہ کیا ہے:

"یہ بات تعجب انگیز ہے کہ ایران میں اتنے بڑے ضخامت کے تذکرے مرتب نہیں ہوئے، یہ شرف بھی لغت نویسی کی طرح برصغیر کے حصے میں آیا کہ نہ فقط زیادہ تر تذکرے یہیں مرتب ہوئے بلکہ تعداد شعرا اور کثرت اشعار کے لحاظ سے بھی سبھی تذکرے یہاں ترتیب پائے۔۔۔عرفات العاشقین اور ریاض الشعرا کے مولفین اگرچہ ایرانی تھے لیکن تذکرے لکھنے کے لیے انہیں یہیں کی آب و ہوا اور داد و دہش راس آئی"۔ (حسام الدین راشدی، مقدمہ ریاض العارفین آفتاب رائے لکھنوی، اسلام آباد، ۱۹۷۷ء، جلد ا ص ششم)

مذکورہ بالا فہرست میں راشدی صاحب ایک تذکرے کا نام لینا بھول گئے جسے سرفہرست ہونا چاہیے تھا۔ وہ آفتاب عالمتاب ہے، جس میں تعداد شعرا چار ہزار سے بھی زیادہ ہے۔

آفتاب عالمتاب، محمد صادق خان متخلص بہ "اختر" (۱۲۰۱۔۱۲۷۵ھ/ ۱۷۸۷۔۱۸۵۹ء) کی تصنیف ہے (جنہیں ہم اس مقالے میں صرف "اختر" لکھیں گے)۔ اختر، قاضی محمد لعل کے بیٹے تھے اور ان کا نسب اوپر جا کر معروف نقشبندی بزرگ خواجہ عبیداللہ احرار (وفات: ۸۹۵ھ/ ۱۴۹۰ء) سے جاملتا ہے۔ اختر ہوگلی (مضافات کولکتہ) میں پیدا ہوئے۔ لفظ "اختر" مادۂ تاریخ بھی ہے جو ان کے قمری سال ولادت ۱۲۰۱ پر دلالت کرتا ہے۔ وہ فارسی ادب میں میرزا محمد حسن قتیل (وفات: ۱۲۳۳ھ/ ۱۸۱۸ء) کے شاگرد تھے۔ اختر، ۱۲۳۲ھ/ ۱۸۱۷ء میں اپنے وطن سے لکھنؤ چلے گئے (اختر، آفتاب عالمتاب، ج ۲، ص ۵۱۴) اور دربار اودھ کی ملازمت اختیار کی۔ نواب غازی الدین حیدر (عہد: ۱۸۱۴۔۱۸۲۷ء) ان کے خاص ممدوح تھے۔ انہی کی مدح میں محامد حیدریہ لکھی۔ اختر کی دربار اودھ سے وابستگی واجد علی شاہ کے عہد نوابی (۱۲۶۳۔۱۲۷۲ھ/ ۱۸۴۷۔۱۸۵۶ء) تک برقرار رہی۔ لکھنؤ میں قیام کے دوران اختر نے تصنیف و تالیف کا خوب کام کیا۔ بہار بے خزاں، حدیقۃ الارشاد، صبح صادق، گلدستۂ محبت، محامد حیدریہ، مخزن الجواہر، مثنوی سراپا سوز وغیرہ ان کی تصانیف ہیں۔ اختر کا انتقال لکھنؤ میں ہوا۔

اختر کی تصانیف سے ایک فارسی تذکرہ، آفتاب عالمتاب بھی موجود ہے۔ جس میں تقریباً ۴۲۶۴ فارسی گو شاعروں کے حالات زندگی، ان کے تخلص کی تہجی ترتیب سے درج ہوئے ہیں۔ انتخاب

کلام میں عاشقانہ مضامین کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ یہ تذکرہ ۱۲۳۸ھ/ ۱۸۲۳ء میں تصنیف ہونا شروع ہوا اور ۲۴/رمضان ۱۲۶۹ھ/ ۱۸۵۳ء کو مکمل ہوا۔ گویا تیس سال اس کی تصنیف وتالیف پر صرف ہوئے۔ یہ ایران، ماوراء النہر (توران)، ہندوستان، افغانستان وغیرہ کے فارسی گوشعرا کا ایک عمومی تذکرہ ہے جس کی اہمیت اور افادیت میرے خیال میں مصنف کے ہم عصر شعرا یا ان شعرا کے حالات کی وجہ سے ہے جن سے مصنف نے اپنا تعلق بتایا ہے۔ اس تذکرے کا ایک ہی قلمی نسخہ پایا جاتا ہے جو شمس آباد (ضلع فرخ آباد) کے صفوی خاندان کی نجی ملکیت ہے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی فارسی استاد ڈاکٹر ناہید آزرمی دخت صفوی اسی خاندان سے ہیں اور ان کے بقول یہ نسخہ ان کے دادا کے کتب خانے میں تھا جو بعد میں ڈاکٹر صفوی کے والد سید محمد صادق صفوی کو منتقل ہوا (پیش گفتار، تذکرہ آفتاب عالمتاب، دہلی، ۲۰۱۲ء، ص ۳)۔ قلمی ہونے کے باوجود یہ تذکرہ، اختر کے معاصر اور بعد کے تذکرہ نویسوں کی توجہ کا مرکز رہا ہے، چنانچہ علی حسن خان نے صبح گلشن، مظفر حسین صبا نے روز روشن اور ابوالقاسم محتشم نے اختر تاباں میں آفتاب عالمتاب سے استفادہ کیا ہے۔ ڈاکٹر شریف حسین قاسمی اس تذکرے اور اس کے مذکورہ نسخے کو اپنے ایک مقالے ''تذکرۂ آفتاب عالمتاب'' مندرجہ غالب، دہلی، ۱۹۸۲ء، جلد ۳، شمارہ ۲ میں متعارف کر چکے ہیں۔ راقم السطور کا ایک مقالہ مصنف کے حالات پر بعنوان ''اختر، محمد صادق خان''، دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی، تہران، ۱۹۹۶ء، جلد ۷، ص ۱۶۳-۱۶۵ میں شایع ہو چکا ہے۔ مہدی رحیم پور کا مقالہ ''تذکرۂ آفتاب عالمتاب ونقد ادبی'' مشمولہ زندگی نامہ وخدمات علمی وفرہنگی پروفسور آزرمی دخت صفوی، تہران، ۲۰۱۵ء/ ۱۳۹۴ش بھی موجود ہے۔

اختر کے اس تذکرے کی تصنیف سے کوئی ڈیڑھ سو سال بعد قسمت جاگی اور اس کی اشاعت کی طرف توجہ مبذول ہوئی۔ سب سے پہلے ۲۰۱۲ء میں دہلی میں رایزنی فرہنگی جمہوری اسلامی ایران کی طرف سے نسخۂ شمس آباد کا عکس تیار ہوا اور اس کا پرنٹ نکال کر مجلد کروایا گیا۔ جس کے سرورق پر ''تذکرہ آفتاب عالمتاب چاپ عکسی نسخہ خطی خانوادہ صفویہ شمس آباد'' درج ہے۔ اس کا اہتمام دہلی میں ایرانی کلچرل کونسلر ڈاکٹر کریم نجفی برزگر نے کیا اور اس پر ڈاکٹر آزرمی دخت صفوی نے آٹھ صفحات پر مشتمل دو فارسی مقدمے لکھے ہیں، جن میں شمس آباد کے صفوی خاندان کی تاریخ اور اس خاندان کے ساتھ اختر کے تعلقات کی نوعیت اور آفتاب عالمتاب کی اہمیت بیان ہوئی ہے۔ مقدمے میں ڈاکٹر صفوی نے یہ

خوش خبری بھی دی ہے کہ وہ اس تذکرے کا ایک تنقیدی ایڈیشن، مبسوط مقدمے کے ساتھ جلد ہی ایران سے شایع کریں گی۔ یہ اشاعت، فرہنگستان زبان وادب فارسی، تہران کی طرف سے متوقع ہے۔

فرہنگستان کی متوقع اشاعت سے قبل ہی ایران میں ایک اور ادارے نے لپک کر اس تذکرے کو کمپیوٹر کتابت کے ساتھ شایع کردیا ہے۔ اس کی بنیاد بھی نسخۂ شمس آباد ہے۔ یہ تذکرہ، ۱۳۹۳ ہجری شمسی/ ۲۰۱۴ء میں رحلی تقطیع کی دو جلدوں میں شایع ہوا ہے۔ اس ایرانی اشاعت کے کتابیاتی کوائف حسب ذیل ہیں:

عنوان: تذکرۂ آفتاب عالمتاب۔ جلد اول: (باب الالف - باب الشین)۔ تصحیح: مرضیہ بیگ وردی۔ جلد دوم: (باب الصاد - باب الیاء)۔ تصحیح: مریم برزگر۔ ہر دو جلد زیر نظر: یوسف بیگ باباپور۔ ناشر: سفیر اردہال، تہران۔ جلد اول: ۸۸۳ صفحات؛ جلد دوم: ۸۶۶ صفحات۔

دونوں جلدوں کے ابتدا میں فہرست شعرا موجود ہے لیکن اتنی بڑی کتاب کے لیے آخر میں کسی قسم کا اشاریہ ندارد۔ ابتدا میں بیگ باباپور کی طرف سے تذکرے، مصنف اور موجودہ اشاعت کی تیاری کے بارے میں ساڑھے تین صفحے کا ایک مقدمہ ہے اور بس! مقدمہ میں اختر کے حالات کے لیے زیادہ جستجو نہیں کی گئی اور مقدمہ نویس نے یہ کہہ کر بات ٹال دی ہے چونکہ اختر نے اپنے حالات اس تذکرے میں درج کیے ہیں لہذا تکرار کی ضرورت نہیں ہے (ج ۱، ص ۹)۔ بات یہ ہے کہ اختر نے اس تذکرے میں اپنے نام کے تحت جو کچھ لکھا ہے اس سے اس کے ذاتی حالات پر ایک سطر کا اضافہ بھی نہیں ہوتا۔ اختر نے وہاں محض اپنی پر تکلف انشا نویسی کا مظاہرہ کیا ہے اور اپنے بارے میں صرف یہ بتایا ہے کہ اب اس کی عمر ساٹھ سال ہوگئی ہے (ج ۱، ص ۱۹۱)۔ بس یہی اس کے حالات ہیں! تاہم اختر کے حالات جا بجا اس تذکرے میں بکھرے ہوئے ہیں، بالخصوص اس کے معاصر اور دوست شعرا کے حالات میں بہت سے اشارات ایسے ہیں جنہیں یکجا کر کے مصنف کی سرگذشت کے خاکے میں رنگ بھرا جاسکتا ہے، لیکن مقدّمہ نگار نے اس پہلو پر کوئی دھیان نہیں دیا۔

یوسف بیگ باباپور نے اپنے مقدمے میں متن خوانی کی مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک ہی نسخہ ہونے کی وجہ سے اور بعض مقامات پر کٹا پھٹا ہونے اور مصنف کی کانٹ چھانٹ کی وجہ سے کئی مقامات پر پڑھنے میں دقتیں آئیں اور نہ پڑھے جانے والے مقامات پر نقطے لگانا پڑے۔

غالباً یہی وجہ ہے کہ پیش بندی کے طور پر بیگ باباپور نے ایک جملہ لکھ دیا ہے:

و باعلم براین کہ ہموارہ کوتاہ بینان مغرض، نہ منتقدان مشفق، مترصد فرصتی ہستند تا زحمات دیگران را زیر سوال ببرند و با یافتن دہ بیست مورد سھویات، بابی ادبی تمام، قصد بر تفاضل خویش و بی مایہ نشان دادن دیگران دارند۔ (ج ا،ص ۸۱)	یعنی انہیں علم ہے کہ بعض خود غرض کوتاہ نظر، نہ کہ مشفق تنقید نگار، ہمیشہ اس تاک میں رہتے ہیں کہ دوسروں کی (علمی) زحمات پر سوال اٹھائیں اور دس بیس غلطیاں ڈھونڈ نکال کر، نہایت بے ادبی کے ساتھ پیش کر دیں تا کہ اپنے علم و فضل کا سکہ جما سکیں اور دوسروں کو بے وقعت دکھلائیں۔

اب معلوم نہیں اس احقر راقم کو یوسف بیگ باباپور کی نگرانی میں چھپنے والے اس تذکرے پر کوئی سوال اٹھانا چاہیے یا نہیں؟ ایک طرف وہ میرے حلقۂ احباب میں شامل اور مہربان ہیں اور دوسری طرف اس اشاعت میں غلطیوں کی تعداد، دس بیس نہیں بلکہ دس ضرب بیس ہے۔ میں اپنے دوست سے توقع رکھوں گا کہ وہ مجھے ''مشفق تنقید نگاروں'' کی فہرست میں رکھ کر میرے ان چند ملاحظات پر غور کریں گے اور اگر یہ درست ہیں تو اس تذکرے کی کسی اگلی اشاعت میں اصلاح کر لیں گے۔

میں یہ بات ابتدا ہی میں واضح کر دوں کہ میرے ملاحظات اس تذکرے میں مذکور زیادہ تر ہندی شعرا کے حصۂ حالات سے متعلق ہیں، ان کا نمونۂ کلام نہیں دیکھا گیا۔ غیر ہندی شعرا کے تراجم اور کلام سے بھی زیادہ تعرض نہیں کیا گیا۔ پورے تذکرے کی سطر بہ سطر پڑھنے کے لیے کئی ماہ کا وقت درکار ہے اس کے بعد ہی اس پر جامع تبصرہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ مختصر اشارات ہیں۔

جلد اول:

صفحہ	غلط	صحیح
۱۱۶	صفی ہروی	آصفی ہروی
۱۱۶	قمی	آصف قمی
۱۱۷	کلکندہ	گلکندہ
۱۱۹	بنیان معرفت	انبان معرفت
۱۱۹	ہبرورانجھا	ہیر ورانجھا

۱۱۹ حاشیہ	صدو ہشتاد کردہ	صدو ہشتاد کروہ (کروہ فاصلے کا پیمانہ)
۱۲۰	کاتیھہ سری باسبت	کائتھ سری باستب (شری واستو)

اس ہندو قوم کا نام اس اشاعت میں مختلف شکلوں میں لکھا گیا ہے، اس کی مثالیں آگے آئیں گی۔

۱۲۲	تبایر	نبایر

یہی غلطی دیگر صفحات (۳۵۴، ۳۵۵، ۶۲۶، ۶۸۸) پر بھی ہے۔

۱۲۵	شماسہ العنبر	شمامۃ العنبر
۱۳۲	جدارر حمت	جوارر حمت
۱۳۳، ۵۹۹	بندسورت	بندرسورت
۱۵۷	ابوالفضل تاگوری	ابوالفضل ناگوری

اسی صفحہ پر مزید تین بار ناگور کو تاگور لکھا گیا ہے!

۱۸۷	کائتھ سری بانسب	کائتھ سری باستب
۱۸۷	پرکنہ	پرگنہ
۱۸۷	مردوار	مُردار
۱۸۷	مشاہدہ	مشاہرہ
۱۸۷	ہم محبتی	ہم صحبتی

۱۹۱ حشیم بری؛ تاریخ کی کسی کتاب کا نام بتایا گیا ہے۔ واللہ اعلم درست نام کیا ہے؟

۱۹۱	بدمال	بدمآل
۲۰۱	برچو پالہ سواری شد	(شاید) چو پایہ (یعنی چہارپایہ)
۲۰۱	سری باسنب	سری باستب
۲۱۰	عمدۂ الملک	عمدۃ الملک

پوری کتاب میں جہاں گول تاء (ۃ) کا مقام تھا اسے ۂ سے لکھا گیا ہے دیکھیے: ص ۲۶۳: زکوۂ حسن: ص ۴۶۵: تحفۂ المجالس: ۶۷۴: ودیعۂ البدیعہ: ص ۷۹۶: تحفۂ الکبیر، غرۂ الکمال، غایۂ المطالب۔

۲۲۳	ولرس بانو	ولرس بانو
۲۳۴	کورنر جزل (ج زل)	گورنر جنرل (ج ن رل)

یہی غلطی صفحات ۴۵۰-۴۵۱: ۶۶۱-۶۶۲ پر بھی موجود ہے۔

۲۳۴	کلکٹرست	گلکرست
۲۳۴	باغ اردویز	باغ اردو
۲۴۱	بچہ کلہ داری علاقہ کوراعلم	پورا جملہ بے معنی ہے!
۲۴۷	متن نام لونی	متن نام لولی
۲۵۷	صوب داری	صوبہ داری
۲۵۷	مستعلا گردید	مستعد گردید
۲۵۷	مشرقتستان	مشرقستان
۲۵۷	تفسیر وحدیق	تفسیر وحدیث
۲۶۳	بھاکوت	بھاگوت
۲۷۰	بیج باتھ	بیج ناتھ
۲۷۱	چگلہ	چکلہ
۲۷۴	بہ زریعہ	بہ ذریعہ
۲۸۸	ہموارہ بود	ہمراہ بود
۳۰۲	کارکوروی	کاکوروی
۳۰۲	اعظم کدہ	اعظم گڈھ
۳۰۳	بھویت رای قدم بلال	بھوپت رای، لیکن قدم بلّال کیا چیز ہے؟
۳۰۳ حاشیہ	مولوی مدن (کذا)	کذا لکھنے کی ضرورت نہیں، یہ نام درست ہے
۳۰۸	کنکا پرشا	گنگا پرشاد
۳۱۱	نپنک	(شاید) پتنگ
۳۱۱	ظلعت فاخرہ	خلعت فاخرہ

۳۱۲	حکت رای	جگت رای
۳۱۳	بہ کعبہ بروم وبازش	بہ کعبہ بردم وبازش
۳۱۴	چنبور	چتور
۳۱۶	بھکوانداس	بھگوانداس
۳۱۷	کورکھ پوری	گھورکھ پوری

اسی غلطی کی تکرار ص ۴۴۲ اور ج ۲، ص ۴۸۷ پر ہوئی ہے۔

۳۱۸	در کا پرشاد	دُرگا پرشاد

اسی غلطی کا اعادہ جلد ۲، ص ۵۰۷ پر ہوا ہے۔

۳۲۶	ذکریا (دوبار)	زکریا
۳۲۶	سلیہ الدین	وجیہ الدین
۳۲۹	قطب الدین بیک	قطب الدین ایبک
۳۳۳	نیک چند	تیک چند
۳۳۳	کتاب عجم	کتاب بہار عجم
۳۳۳	دراصلاحات فارسی	دراصطلاحات فارسی
۳۳۴	جوگل کیشور	جُگل کشور
۳۳۴	علام قطب الدین	غلام قطب الدین

۳۳۴: ایک شاعر بھگوان داس لکھنوی کا ذکر ہوا ہے۔ مصنف اسی شاعر کا ذکر ''بسمل لکھنوی'' کے تحت (ص ۳۱۶) بھی کر چکا ہے۔ تذکرے کے مرتبین تو ہندوستانی شعرا سے لاعلم ہو سکتے ہیں لیکن مصنف نے بھی اس تکرار پر غور نہیں کیا۔

۳۵۱	لیاون لعل قوم کاتہھ	بساون لعل قوم کایتھ
۳۵۲	برای جبین زغضب شد چوآشکارگرہ،	مصرع وزن سے خارج ہے۔
۳۵۳	شاہ لرھا	شاہ لدھا
۳۸۱	چکلہ	چگلہ

۳۸۲	کوپال رای	گوپال رای

جلد ۲،ص ۵۵۷ میں بھی جے کوپال ہے جو، جے گوپال ہونا چاہیے۔

۳۹۵	منوھر یز یاد کردہ اند	منوھر نیز یاد کردہ اند
۴۳۶	کنج سکر	گنج شکر
۴۳۷	سر العارفین	سیر العارفین
۴۴۲	بھاکلپوری	بھاگلپوری
۴۴۴	پھلواردی	پھلواروی
۴۴۷	ہان خاتون	جہان خاتون
۲۴۸	اکروالہ	اگروالہ

یہی غلطی ج ۲،ص ۲۴۵ پر بھی ہے۔

۴۵۰	زمیدار	زمیندار

۴۵۰ کسنر؛ کسی جگہ کے نام کے طور پر آیا ہے۔ میرے خیال میں درست نہیں ہے۔

۴۵۰	درنبولا	درین ولا
۴۵۱	مترھوک	مسترھوک
۴۵۱	چنار کدہ/لطیف کدہ	چنار گڈہ/لطیف گڈہ
۴۵۱	بی رحمتی	بی رحمی
۴۵۱	میچر پایم	میجر پایم
۴۵۱، ۸۸۲	قرار برقرار	قرار برفرار
۴۵۲	قلاقہ	علاقہ
۴۵۲	تراین	نراین

ج ۲،ص ۶۵۹ پر بھی یہی غلطی ہے۔

۴۷۱	سند پلوی	سندیلوی (منسوب بہ سندیلہ)
۴۹۱	بہاربی خبران	بہاربی خزان (از تصانیف اختر)

۴۹۲	فنطت	فطنت
۴۹۹	سلاست اللہ	سلامت اللہ
۵۰۵	کور بخش	گور بخش
۵۰۶	علی منتق	علی متقی
۵۲۰	فریب خانہ	غریب خانہ
۵۲۰	تھمید	تمھید
۵۲۰	معتصف	متصف
۵۲۰	لچھمین	لچھمن یا پچھمی
۵۲۷	چگلہ دار	چکلہ دار
۵۲۸	آہ آہ امتیاز خانہ	آہ آہ امتیاز خان (مادّۂ تاریخ/ ۱۱۲۲)
۵۴۸	جکت گرو	جگت گرو
۵۴۸	عشیقہ	عشقیہ (کتاب کا نام)
۵۷۳	بند راین	بندرابن، یہ ایک ہی لفظ اور نام ہے۔
۵۷۴	کوپاموی	گوپاموی
۵۸۹	شاہنامۂ فرخ سپھری	شاہنامۂ فرخ سیّر ی
۵۸۹	راجہ سناب رای	راجہ شتاب رای
۵۹۰	منسبی	منشی
۵۹۰	میر نسبی	میر منشی
۵۹۰	عازی الدین حیدر	غازی الدین حیدر
۵۹۰/۶۸۲	قصبہ ملاکوہ/ قصبہ ملانوہ	دونوں نام ایک ہی جگہ کے ہیں لیکن دونوں مشکوک۔
۵۹۰	لالہ لسنبی رام	لالہ بستی رام
۵۹۰	قوم کا تیتھ سری	قوم کا یتھ سری باستب
۵۹۰	میرزا قتیل محروم	میرزا قتیل مرحوم

۵۹۰ وفاق جوشی بتان دلکشی دارد عبارت مہمل ہے۔

۵۹۵ نالہ در نالۂ درد (کتاب کا نام)

۵۹۵ ''از دکن بہ دہلوی رسید۔ مورد عنایات شاہ ولی اللہ سرہندی شد''۔ شاید یہ جملہ اس طرح درست ہو: از دکن بہ دہلی رسید۔ مورد عنایات شاہ ولی اللہ دہلوی شد۔

۵۹۵ میرزا مظہر خانخانان میرزا مظہر جانجانان

۵۹۵ مولی جھیل موتی جھیل

۵۹۶ پندت امرنامھ پندت امرناتھ

۵۹۹ تاریخ بداولی تاریخ بداونی

۶۰۱ ''ہموارہ باروای بہ سری برد'' شاید یہ جملہ اس طرح ہے: ہموارہ باوی بہ سری برد۔

۶۰۳ راجہ مہابراتن راجہ مہانراین

۶۱۱ حیدر بنگ خان حیدر جنگ خان

۶۱۳ نہ شکوفہ، نہ برگی، نہ ثمر، نہ سایہ دارم؛ یہ مصرع اس طرح لکھا جانا چاہیے:
نہ شکوفہ ای، الی آخر

۶۱۷ دو شاعروں ذہن دکھنی اور ذہن لکھنوی کا عنوان ہے۔ تذکرۂ روز روشن میں ان دونوں کا تخلص ذہین لکھا ہے۔

۶۱۷ ایک مصرع اس طرح نقطے ڈال کر لکھا ہے:
چہرہ زیبائی ۔۔۔ کہ خویش شب دیدم بہ خواب
تذکرۂ روز روشن میں اس طرح درج ہے: چہرہ زیبای یار خویش شب دیدم بہ خواب

۶۱۷ برہان علی خان ذہن برہان علی خان رہین

۶۱۷ سبک کوی محبت نام کردند سگ کوی محبت نام کردند

۶۲۶ ''از وطن بہ دہلوی رفتہ در ہنگامۂ ایدالی ارا سحابہ لکھنو آمدہ'' یہ عبارت یوں ہونی چاہیے: از وطن بہ دہلی رفتہ در ہنگامۂ ابدالی از آنجا بہ لکھنو آمدہ (تصحیح قیاسی)۔

۶۲۸ راسخ سیالکوتی راسخ سیالکوتی

۶۳۰ ادنامی/ادنام اونامی/اونام

۶۳۰ عبدالاجد عبدالاحد

۶۳۰ شاہ زمین شاہ زمن

۶۳۷ رسائی ۔۔: اس نام کے آگے تین نقطے ڈال کر تذکرے کے حاشیے میں لکھا ہے کہ نسخے میں نام مٹا ہوا ہے اور پڑھا نہیں جا سکا۔ روز روشن میں اسے رسائے پنجابی لکھا ہے۔

۶۳۷ ناش نامش

۶۴۲ بحشو بخشو

صفحات ۶۴۴، ۶۴۷، ۷۵۱، ۸۷۶ وغیرہ پر کچھ شعرا کی نسبت مکانی ''لاہنجی'' درج ہوئی ہے یہ یقیناً لاہیجی ہے۔ کتاب کی دوسری جلد میں بھی ایسا ہی ہے (ص ۱۶۲، ۴۰۰، ۷۰۵)۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کمپیوٹر کی ایک کمانڈ سے لاہیجی کو لاہنجی میں بدل دیا گیا ہے۔ اس کی مثال یہ جملہ ہے:

''نادم گیلانی، چون اصلش از لاہنجان است بعضی۔۔۔ او را لاہنجانی نوشتہ اند۔'' (ج ۲ ص ۴۰۰)

۶۴۴ رضی سوسنبری رضی شوشتری

۶۵۸ قلابہ الجوایز قلاید الجواہر

۶۵۸ شہر موپال شہر بھوپال

۶۶۲ فی الکلام کاللح فی الکلام کالملح

۶۶۵ الاتربھم فی کل واد مھمون؛ یہ قرآنی آیت اس طرح ہے: الم تر انھم فی کل واد یھیمون (الشعرا: ۲۲۵)

۶۷۹ زنبیرپور رنبیرپور

۶۸۷ محمد حیات مدتی محمد حیات مدنی

۶۹۱ منید ولعل میند ولعل

۷۰۴ زیب النسابی زیب النسا بیگم

۷۰۵ کوبندرام گوبندرام

۷۴۲ سرسر سیالکوپی سراپی سیالکوتی

۷۵۳	قرآن ثانی	قران ثانی

صفحہ ۷۶۹ پر سلامی اصفہانی کے حالات شروع ہوتے ہیں لیکن اس کے بعد صفحہ ۷۷۰ بالکل خالی ہے اور صفحہ ۷۷۱ پر سلام اللہ قاضی کاشانی کے حالات شروع ہوجاتے ہیں۔ گویا درمیان میں کچھ مواد چھپنے سے رہ گیا ہے۔

۷۹۶ سید علی کبیر عرف میرن جان کے تذکرے کا نام "بستان الشعرا" لکھا ہے۔ یہ تذکرہ خازن الشعرا کے نام سے شایع ہوا ہے۔

۸۰۹	قوم کاتبھ (دوبار)	قوم کایتھ
۸۰۹	کلاب رای	گلاب رای
۸۱۰	شایق جالیبی	شایق جایسی
۸۱۰	ناکپور	ناگپور
۸۱۰	شایق تکراری	شایق نگرامی
۸۱۰	شاہ عبدالعزیز محمد شاہ دہلوی	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی
۷۱۴	بھگر	بھکر

یہی غلطی ج ۲، ص ۸۵۸ پر بھی ہے۔

۷۱۶	کھگر	گھکر
۷۲۳	مجذوم الملک	مخدوم الملک
۷۲۴	علاءالدین خلیجی	علاءالدین خلجی
۷۳۰	شرح چغمنی	شرح چغمینی
۸۳۸	کھنو	لکھنو
۸۴۵	لچھمین	لچھمی
۸۴۵	چمستان	چمنستان (کتاب کا نام)
۸۶۱	صیعہ	صیغہ
۸۶۶	بھکوان	بھگوان

۸۸۱	شیری سیالکوپی	شیری سیالکوتی
۸۸۲	بہ فوت آن	بہ قوت آن
۸۸۲	سیہسرام	سہسرام
۸۸۳	مناظرۂ منشی فیروز باشیدا	مناظرۂ منشی منیر باشیدا

یہ طومار، نمونہ مشتے از خروارے ہے۔جلد دوم کی حالت بھی اس سے مختلف نہیں ہے۔میں نے اس کے چند صفحات پر نظر ڈالی تو جلد اول جیسے ہی مسائل پائے۔

ص ۸۸ پر ایک شاعر صافی کی نسبت اجگیری اور اس کا وطن اجگیر صوبہ بہار لکھا ہے۔یہ یقیناً راجگیر ہے۔

ص ۱۳۳ ضمیر دہلوی کے بارے میں لکھا ہے: ''درزبان کتاب ہا دخل تمام تر داشت''، یعنی وہ کتابوں کی زبان خوب سمجھتے تھے۔مجھے اس جملے میں کچھ گڑبڑ لگتی ہے۔اسی شاعر کے بارے میں لکھا ہے: ''بہ علم داری بہ در بند سورت سرفرازی یافتہ۔'' یہ فقرہ یقیناً اس طرح ہے: ''بہ عمل داری بہ بندر سورت سرفرازی یافتہ۔'' اسی طرح کی غلطی ص ۶۲۳ پر بھی ہے جہاں عمل داری کو علم داری بنا دیا ہے: ''بہ علم داری سرکار انگریزی۔۔۔''

ص ۱۶۵ پر ''فتح عزیمت کرد''، جو دراصل ''فسخ عزیمت'' ہے۔

ص ۱۷۷: ایران کے ایک مشہور شاعر ظہیر الدین عبداللہ ظہیر شفرو ہ گذرے ہیں۔اس کو دوبار ''شفردہ ای'' لکھا ہے۔اس سے قیاس ہوتا ہے کہ ''مصحح'' اپنے ہی وطن کے مشہور شاعروں سے ناواقف ہے۔

ص ۱۱۲ پر ایک شاعر ''صداقت گنجائی'' کا حال ہے جو دراصل کنجاہی ہے۔اسے ''برادر غنیمت گنجائی'' لکھا ہے جب کہ وہ غنیمت کا برادرزادہ ہے۔صداقت کے شعر کا ایک مصرع یوں درج ہوا ہے:

لیلی سرمہ بہ صد ناز بہ بہ خود می بالد

جب کہ اسے یوں ہونا چاہیے:

لیلی سرمہ بہ صد ناز بہ خود می بالد

ص ۲۰۰ پر ایک عبارت ''در خیر تمیق و تالیف درآوردہ'' درج ہے، جس لفظ کو خیر کو پڑھا گیا

ہے وہ یقیناً ''حیزّ'' ہے۔

ص ۲۱۹ پر ایک شاعر ''عبدالقدوس کنکوی چینی'' کا ذکر ہے۔ یہ ہمارے ''گنگوہی چشتی'' بزرگ ہیں۔

ص ۲۲۴ پر سندھ کے ایک قریہ کا نام ھکھر لکھا ہے جو یقینا بھکر/ بکھر ہے۔

ص ۲۲۴ پر عبدالواحد بلگرامی کی مشہور تصنیف سبع سنابل کا نام صرف سنابل درج ہوا ہے۔

ص ۲۴۱ پر آبای کرام کو آبای گرام لکھا ہے۔

ص ۲۵۴ پر ایک ہندو نام رائے نسکھ لکھا ہے، شاید یہ رائے نین سکھ ہو۔

ص ۲۸۸: بعض اوقات مصنف کی بے خبری پر تعجب ہوتا ہے۔ دہلی کے مشہور صوفی خواجہ محمد ناصر عندلیب کے بارے میں اختر نے لکھا ہے: ''کجایی است؟ معلوم نشد!''

ص ۳۰۶ پر ایک شعر یوں درج ہے:

در زغن بنگر کہ می گوید خروس عرشی ام

در جمل بنگر کہ می گویم کہ گاو عنبرم

دوسرے مصرع میں بھی ''می گویم'' کی جگہ ''می گوید'' ہونا چاہیے۔

ص ۳۱۴ پر غنیمت کنجاہی کے بارے میں لکھا ہے: ''وی مفتی زادۂ قصبۂ کنجاہ از مضافات گجرات و بہ قولی از مضافات پنجاب بودہ۔'' اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اختر نے گجرات کو گجرات کاٹھیاواڑ سمجھا ہے اسی لیے اسے پنجاب سے الگ کیا ہے حالانکہ اس سے مراد گجراتِ پنجاب ہی ہے۔ کنجاہ، گجرات پنجاب سے کوئی دس کلومیٹر فاصلے پر واقع ہے۔

ص ۳۴۳: ''جالیسر کہ محال چاکیرش بود''، جاگیر کو چاکیر پڑھا ہے۔

ص ۳۴۵: فریدالدین گنج شکر کا سال وفات یوں لکھا ہے: ''سال سیصد وشصت و چہار''۔ اگر یہ مصنف کی غلطی نہیں تو مرتّب کی بہر حال ہے کہ شش صد کو سیصد پڑھا اور لکھا ہے۔

ص ۳۶۳: جکل کشور کو جگل کشور لکھنا چاہیے۔

ص ۳۷۹: رام چند متبولی، یہ تنبولی ہے۔ مطول کو علامہ نصارانی کی تصنیف بتایا ہے۔ دوسرے لفظوں میں مرتبین، علامہ تفتازانی کے نام سے ناواقف ہیں جو عالم اسلام کے مشہور عالم ہیں۔

ص ۳۷۲: میر عظمت اللہ بلگرامی بے خبر کا تخلص ''تبحر'' پڑھا گیا ہے۔

ص ۳۹۳: ''شیخ نصر الدین چراغ دہلی'' نادرست اور شیخ نصیر الدین درست ہے۔

ص ۳۹۶: شیخ الہدا، جو شیخ الہداد ہے۔

ص ۴۰۲: حسین باجی، جو حسین ناجی ہے۔

ص ۴۱۷ پر دارا شکوہ کا تخلص ''قادر'' لکھا ہے حالانکہ سب تذکروں میں ''قادری'' درج ہے اور اس کے شایع شدہ دیوان میں بھی قادری ہی ہے۔

ص ۴۱۸: نواب عنایت اللہ کا نام عتاب اللہ! لکھا ہے یہ سوچے بغیر کہ کسی کا نام عتاب اللہ نہیں ہوسکتا۔

ص ۴۲۲ پر قتیل لکھنوی کے حالات ہیں۔ اس میں قتیل کے وطن باغ پت کو مکرر باغیث لکھا ہے۔ ایک جملہ لکھا ہے ''سعادت علی خان بہ ذریعہ ایران نامدار طالب ملاقات شدند'' (ص ۴۲۳)، ایران نامدار سے میں تو کچھ نہیں سمجھ سکا! قتیل کا سال وفات ۱۲۰۳ھ لکھا ہے اسے ۱۲۳۳ ہونا چاہیے۔ طالب علی عیشی کو طالب علی عشی لکھا ہے۔

ص ۴۳۳: راجکی، کو راجگی لکھنا چاہیے۔

ص ۴۴۰: قطب دھیلوی، نادرست اور دہلوی درست ہے۔

ص ۴۴۲: تانا شاہ کو نانا شاہ لکھا ہے۔

ص ۴۴۴: پرتاب گڈھ کو پرنا بکدہ لکھا ہے۔

ص ۴۹۶: جے گوپال کو جے کوبال لکھا ہے۔

ص ۵۳۰ پر محی گیلانی (شیخ عبدالقادر گیلانی) اور ص ۵۳۱ پر محیی الدین ابن عربی کے حالات بطور شاعر درج ہوئے ہیں۔ ابن عربی کا تو مصنف کوئی نمونۂ کلام پیش نہیں کر سکے لیکن محی گیلانی کے بارے میں لکھا ہے کہ کبھی کبھی فارسی شعر نظم کرتے تھے اور چند شعروں کا نمونہ دیا ہے۔ اسی طرح ص ۶۱۱ پر معین الدین چشتی سنجری (کذا) اور ص ۷۳۷ پر نظام الدین اولیا کو بطور فارسی شاعر پیش کیا ہے اور ان کا نمونۂ کلام دیا ہے۔ ایسے اندراجات سے مصنف کا غیر محققانہ رویہ ظاہر ہوتا ہے، کیوں کہ ان میں سے کوئی بھی اس نمونۂ کلام کا مالک نہیں جو مصنف نے ان سے منسوب کر دیا ہے۔

ص ۵۴۳: ''خواست کہ محلہ علی ولی اللہ وصی رسول اللہ در خطبہ جاری نماید''۔ معمولی سی توجہ سے بھی معلوم ہوجاتا ہے یہاں لفظ ''محلہ'' کا کوئی محل نہیں، بلکہ یہ لفظ ''جملہ'' ہے۔اسی صفحے پر شاہ عالم کے بیٹے کا نام بجائے عظیم الشان کے عظیم ایشان لکھا ہے!

ص ۵۷۵: ایک ایرانی شاعر مرشد بروجردی کی نسبت ''یزدجردی'' لکھ دی ہے! ص ۸۳۰ پر میر محمد ہادی بروجردی کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا ہے۔ ص ۵۸۳: رام دیال کو رام ویال لکھا ہے۔

ص ۵۸۵: قوم سکسینہ کو قوم سکستیہ پڑھا ہے۔ ص ۵۹۴: ''در زبان بھاکھا کتب و ودھا بہ کمال پاکیزگی می گفت''۔ یہاں لفظ ودھا کو دوہا پڑھنا چاہیے۔دوہا ہندی اصناف سخن میں چار بیتی ہے۔

ص ۵۹۵: منشی بیج باتھ؛ غلط اور منشی بیج ناتھ درست ہے۔ ص ۵۹۹: شاہ غلام قطب الدین الہ آبادی کا تخلص ''مصیب'' ہے لیکن یہاں ''مصیبت'' بن گیا ہے۔

ص ۶۰۰: غالباً فارسی لفظ ''باشندہ'' بود و باش کے مفہوم میں ایران میں رائج نہیں ہے اسی لیے مرتبین نے اسے ''باشندۂ اطراف لکھنو'' لکھا ہے، لیکن باشندہ کا بھی فارسی میں کوئی مطلب نہیں ہے۔

ص ۶۰۷: تفصیل کو تفضیل لکھا ہے۔

ص ۶۱۱: ''بہ سیادت بلاد عرب و عجم برآمد۔'' یہاں سیاحت کو سیادت لکھا ہے۔اسی صفحہ پر رائے پتھورا کو رائے تھپورا پڑھا گیا ہے۔

ص ۶۱۱: تعجب ہے مصنف نے شیخ اوحدالدین کرمانی اور شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کو شیخ معین الدین چشتی سجزی کا مرید لکھا ہے۔

ص ۶۲۶: ''بحر شرب مدام ۔۔۔ خبر نداشت''؛ بجز شرب مدام ہونا چاہیے۔

ص ۶۴۵ پر یہ عبارت: ''دیوانش از قصاید و غزل و مخمس وغیرہ غریب بہ چہل ہزار بیت خواہد بود''۔ سیدھی سی بات ہے یہاں غریب نہیں، قریب ہونا چاہیے۔

ص ۶۵۱ پر ایک طبیب کے بارے میں یہ جملہ چھپا ہے: ''در فن طبابت صداقت بہ کمال داشت''۔ معمولی سی توجہ بھی اس عبارت میں صداقت کی جگہ حذاقت کا تقاضا کرتی ہے۔

ص ۶۹۴: ''در اول ملاقات با من کج ناحیہ بود۔'' بالکل مہمل عبارت ہے! چونکہ یہ عبارت ناطق مکرانی کے حالات میں آئی ہے، کج، یقیناً کچ/ کیچ ہے۔شاید عبارت اس طرح ٹھیک ہو: اول

ملاقات بامن در کچ ناحیہ بود۔ ص ۶۹۵: دھنپت رائے کو دھپت رائے لکھا ہے۔

ص ۷۰۲: نالہ رومی کی نسبت اسلام لولی لکھی ہے، یہ اسلام بولی (استانبولی) ہے۔

ص ۷۱۵: معروف مصنف ضیاالدین نخشبی کی تصانیف کے ناموں میں ایک کتاب کا نام نقطے ڈال کر۔ ناموس لکھا ہے اور حاشیے میں اس کی وجہ نسخے کا خراب ہونا لکھا ہے۔ یہ ضیا کی معروف کتاب چہل ناموس ہے جو ۱۳۸۸ شمسی میں ایران سے شایع ہو چکی ہے، معلوم ہوتا ہے مرتبین اس سے بے خبر ہیں۔

ص ۷۲۴: ہر قوم راست رای و دینی وقبلہ گاہی/من قبلہ راست کردم بر ہمت کج کلاہی

یہ اس معروف شعر کی بگڑی ہوئی صورت ہے:

ہر قوم راست راہی، دینی وقبلہ گاہی/من قبلہ راست کردم بر سمت کج کلاہی

ص ۷۳۵: ایک شاعر کا لقب ''فجر الشعرا'' لکھا ہے! جو یقیناً فخر الشعرا ہے۔ ص ۷۵۵: بابو کالی شنگر؛ یہ بابو کالی شنکر ہے۔ اسی صفحے پر ''العزیز الوجود'' لکھا ہے، یہاں ''آن عزیز الوجود'' کا مقام ہے۔ ص ۷۸۴: واقف پٹیالوی کے حالات میں شہر پٹیالہ کو شہر پیالہ لکھا ہے۔

ص ۷۹۰: ایرانی شاعر سلیم تہرانی کے بارے میں مصنف نے لکھا ہے کہ ظل سبحانی اورنگ زیب عالم گیر پادشاہ نے اسے ایران سے بلوایا! اگر مرتبین نے جملہ صحیح نقل کیا ہے تو یہ مصنف کی بے خبری ہے۔ سلیم اس سے بہت پہلے ایران سے ہند آچکا تھا اور اورنگ زیب کے والد شاہ جہاں کے دربار سے وابستہ رہ چکا تھا اور اورنگ زیب کے تخت نشین ہونے سے پہلے ۱۰۵۷ھ میں وفات پا چکا تھا۔ ص ۸۲۱: ایک کایتھ کا نام نوازی دھن لکھا ہے؛ مجھے مشکوک معلوم ہوتا ہے۔ ص ۸۴۳: ملا قاسم کاہی کو گاہی لکھا ہے۔ ص ۷۵۴: ''خدمت افتای عدالت دیوانی'' یہ یقیناً خدمت افتای عدالت ہے۔

مندرجہ بالا اغلاط دیکھ کر میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں:

الف: تذکرے کے مرتبین ہندوستانی اعلام اور اصطلاحات سے نابلد ہیں اور ان سے شناسائی کا کوئی سابقہ نہیں رکھتے ہیں۔ ب: تذکرے کی پروف خوانی دقت نظر سے نہیں کی گئی ہے۔ ج: مرتبین کو مخطوطات، بالخصوص برصغیر کے متون کی قراءت کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔ د: مرتبین نے مشکل

مقامات حل کرنے کے لیے بیرونی آماخذ سے قطعاً استفادہ نہیں کیا۔ اگر وہ دیگر تذکروں کو دیکھ لیتے تو ان اغلاط کو کم تر جاسکتا تھا۔ حد تو یہ ہے کہ ایک جگہ قرآنی آیت بھی غلط نقل کی ہے اور نص قرآنی کو دیکھنے کی زحمت نہیں کی گئی!

بعض معروف عربی، فارسی الفاظ یا کلمات کو بہ تکرار غلط لکھنا اچنبھے کی بات ہے۔ نبایر (نبیرہ کی جمع) کو ہر جگہ "تبایر" لکھا ہے۔ قرار برفرار کو دو جگہ "قرار برقرار" لکھا ہے۔ یہ دراصل قراءت متن کی کمزوری ہے۔

ایران میں گذشتہ کئی سالوں سے برصغیر کے جو متون مرتب ہو کر شایع ہو رہے ہیں ان میں مقامی (ہندوستانی) اعلام اور اصطلاحات کی درستی اور صحت کے ساتھ املا پر ہمیشہ سوالیہ نشان رہا ہے۔ تذکرۂ آفتاب عالمتاب کی یہ ایرانی اشاعت اس کی ایک اور مثال ہے۔

تذکرے کی دونوں جلد کی پیشانی پر اسے "تصحیح" بتایا گیا ہے اور یہ "تصحیح" ایک دوسرے صاحب کی نگرانی میں ہوئی ہے۔ یہ نہ تو تصحیح ہے اور نہ ہی ذمہ دارانہ نگرانی۔ ہم زیادہ سے زیادہ اس عمل کو ایک مخطوطہ کی ٹائپ کی شکل میں "نقل" کہہ سکتے ہیں۔ اس کام پر لفظ "تصحیح" اور "نگرانی" کا اطلاق کرنا ناانصافی ہوگا۔ منحصر بفرد نسخے کی اساس پر کسی متن کی تصحیح میں اغلاط کا در آنا یا عبارات کا ابتر، ناقص اور مغلوط رہ جانا ایک طبعی امر ہے۔ لیکن سنجیدہ اور ذمہ دار محققین، مصنف کے مصادر اور آماخذ کو سامنے رکھ کر عبارتیں، نام، تخلص، جغرافیائی مقامات اور اشعار درست اور مکمل کر لیتے ہیں۔ آفتاب عالمتاب کے مصنف نے تو اپنے تمام مصادر کا ذکر کیا ہے لیکن تذکرے کی "تصحیح" اور "نگرانی" کرنے والوں نے ان میں سے ایک ماخذ بھی اٹھا کر دیکھنے کی زحمت نہیں کی! یہی وجہ ہے کہ اس اشاعت میں عبارتیں، نام، تخلص، جغرافیائی مقامات اور اشعار غلط سلط درج ہوئے ہیں اور مرتبین محض حاشیے میں "نسخہ آسیب دیدہ و چند واژہ قابل قراءت نیستند" لکھ کر سبکدوش ہو گئے ہیں۔

آفتاب عالمتاب کی اس اشاعت کو یہ سمجھ کر قبول کیا جانا چاہیے کہ ایک منحصر بفرد نسخہ، گمنامی کے گوشے سے منظر عام پر آ گیا اور اس سے کچھ نہ کچھ استفادہ بہر حال کیا ہی جاسکتا ہے۔ امید ہے فرہنگستان زبان وادب فارسی کی متوقع اشاعت معیاری ہوگی۔

وفیات

آہ! ڈاکٹر محمد ہاشم قدوائی مرحوم

افسوس کہ ڈاکٹر محمد ہاشم قدوائی نے بھی اس جہان فانی کو الوداع کہہ دیا۔ ۱۰؍جنوری کو انہوں نے دہلی کے اپولو اسپتال میں پچانوے سال، زندگی کو دور و قریب سے خوب دیکھ کر بالآخر آنکھیں موندلیں اور اپنے اس رب کے حضور میں پہنچ گئے جس پر ایمان و یقین سے وہ اتنی طویل زندگی میں کبھی غافل نہ رہے۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

وہ دریاباد کے اس خاندان سے تعلق رکھتے تھے جس کا خمیر ہی گویا، مذہب، علم اور شرافت سے تیار ہوا تھا۔ ان کے داد مولانا مفتی مظہر کریم اور والد ڈپٹی کلکٹر مولوی عبدالقادر تھے جن کی وفات پر اکبر الہ آبادی کے قطعہ تاریخ میں یہ شعر ہے کہ   جاہ و منصب میں وہ گو ممتاز تھے   کرتے تھے یاد خدا دن ہو کہ رات

مولوی عبدالقادر مدفون جنت المعلی ہوئے۔ قبولیت کی یہ ایک نشانی تھی دوسری نشانی اس دنیا میں ان کے دو بیٹے ہوئے ایک عبدالمجید، دوسرے عبدالماجد جو بعد میں مولانا عبدالماجد دریابادی ہو کر رہتی دنیا تک تعارف سے مستغنی ہوگئے، عبدالمجید مرحوم کو ویسی شہرت تو نہیں ملی لیکن ذوق علم، کتب بینی اور مسلمانوں کی تعلیمی ترقی میں ان کی خدمات اس لائق رہیں کہ بیسویں صدی کی مسلم تاریخ میں ان کا ذکر خیر سے کیا جائے۔ ان کے انتقال پر معارف نے یہ کہتے ہوئے ماتم کیا کہ وہ ''طبعاً بڑے شریف اور وضع دار، بڑے دین دار اور خوبیوں کے مالک تھے''۔ اللہ نے ان کی خوبیوں کا ایک صلہ اولاد کی شکل میں دیا۔ حکیم عبدالقوی، حبیب احمد، محمد ہاشم اور عبدالعلیم، عبدالمجید مرحوم کے یہ چاروں صاحبزادے، مولانا عبدالماجد دریابادی کے بھتیجے تو تھے ہی داماد بھی ہوئے، گویا نور علی نور کے مصداق۔ ہمارے ڈاکٹر ہاشم ان میں تیسرے تھے اور خاندانی روایت کے امین و پاسبان ہونے میں اپنے دونوں بڑے بھائیوں کے بعد گویا اول تھے۔ سیتاپور اور لکھنؤ میں انہوں نے ابتدائی اور اعلی تعلیم کے مدارج طے کیے، لکھنؤ یونیورسٹی میں ان کے اساتذہ میں پروفیسر احتشام حسین بھی تھے، یہیں انہوں نے بی اے اور ایم اے کی سندیں حاصل کیں۔ مسلم یونیورسٹی سے انہوں نے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور پھر یہیں شعبہ سیاسیات میں لیکچرر ہوئے اور ریڈر کی حیثیت سے ۱۹۸۲ء میں سبک دوش ہوئے۔ اس سارے عرصہ میں وہ

خدا جانے کتنوں سے متاثر ہوئے اور کتنوں کو متاثر کیا، لیکن ان کے ذہن وقلب اور قول وعمل کی دنیا پر جس شخصیت کا سایہ دراز رہا وہ مولانا عبدالماجد دریابادی تھے۔ اس حقیقت کا وہ ہمیشہ اعتراف کرتے رہے کہ ان کو جو کچھ ملا، اس میں فیض سارا کا سارا مولانا ہی کا رہا۔ متعلم، معلم، مصنف، مترجم اور سیاست داں کتنے ہی عنوان ان کی کتاب زندگی میں نمایاں رہے لیکن زمان ومکاں اور ماحول کے فرق واختلاف کے باوجود، ان کے ایمان وعقیدہ اور نظریات وخیالات میں یکسانی، مولانا مرحوم کی تربیت کا جلوہ دکھاتی رہی۔ مولانا مرحوم کو بھی اس تربیت کا خیال تھا۔ مولانا عبدالباری ندوی کے نام ایک خط میں مولانا دریابادی نے لکھا کہ ''بحمد اللہ لڑکیوں ہی کی طرح بھتیجوں اور دامادوں کی طرف سے بھی اطمینان ہے، باقی دنیا تو بہر حال دنیا ہے جنت تو ہے نہیں''۔ اس جملہ پر ڈاکٹر صاحب نے تشریحی جملہ لکھا کہ ''اطمینان یعنی تربیت کی طرف سے، ہم چاروں بھائی مراد ہیں، اللہ اس کو قائم رکھے اور ہم سب کا خاتمہ ایمان پر کرے''۔ یہی ایمان ہمیشہ ان کے ساتھ رہا۔ عمر کا بڑا حصہ یعنی قریب چونتیس سال مسلم یونیورسٹی میں گزارے، کیسے کیسے دور گزرے، ذوق ومزاج کے لحاظ سے طلبہ ہی نہیں، ذمہ داروں میں تنوع وتضاد کے تجربے اور مشاہدے ہوتے رہے لیکن اس پر سب متفق ہیں کہ ڈاکٹر صاحب کا رویہ اور نمونہ ہمیشہ مثالی رہا۔ ایک شفیق ومہرباں استاد ہی سے ان کی شناخت رہی، شعبہ سیاسیات کی نظری تعلیم ہو یا پارلیمنٹ کی رکنیت کا عملی اظہار، وہ اپنے اصل کردار سے دست بردار کبھی نہیں ہوئے اور یہ کردار واضح تھا کہ ملی ومذہبی امور میں صحیح ترجمانی ورہنمائی اور مصلحت ومداہنت سے دوری، دیکھا جائے تو اس میں تربیت ماجدی ہی کارفرما ہے۔

ان کا ایک اور وصف بلکہ سب سے بڑا وصف علمی انہماک تھا۔ کتابوں سے ان کا رشتہ غیر معمولی تھا۔ دیکھنے والوں نے شاید ہی کبھی ان کو مطالعہ سے جدا دیکھا ہو، قلم وقرطاس سے بھی ان کا رشتہ تھا، کئی کتابیں ان کے قلم سے نکلیں، کچھ تو خالص سیاسیات کے موضوع پر ضرورتاً آئیں مثلاً مبادی سیاسیات، اصول سیاسیات، اصول مدنیت، تاریخ افکار سیاسی اور یورپ کے عظیم سیاسی مفکر وغیرہ۔ اردو میں اپنے موضوع پر منفرد یہ کتابیں سب کے لیے نہایت کارآمد ثابت ہوئیں، خصوصاً یورپ کے عظیم سیاسی مفکر، ڈاکٹر صاحب کے وسیع مطالعہ کی بہترین مثال ہے۔ لیکن ان کا سب سے بڑا اور سب سے قابل قدر کارنامہ مکتوبات ماجدی کی ترتیب واشاعت ہے، سات جلدوں میں ہزاروں صفحات پر مشتمل مکتوبات کا یہ مجموعہ جس محنت وجستجو کا عکاس ہے اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں، اشخاص واماکن اور واقعات کے متعلق بے شمار تشریحات کے لیے انہوں نے بڑی دیدہ ریزی کی اور اس اسلوب

سے کی کہ چھوٹی بڑی تمام معلومات یکجا کردیں اور کہیں کہیں خود اپنی رائے کا اظہار بھی کر دیا مثلاً پروفیسر نسیم قریشی کے نام ایک خط میں مولانا دریابادی نے لکھا کہ ”.... شبلی یقیناً خود صاحب طرز تھے لیکن متاثر وہ بھی علی گڑھ وبانی علی گڑھ سے ہوئے تھے اور شبلی اسکول بالواسطہ علی گڑھ اسکول ہی کی ایک شاخ، گو اپنے خصوصیات کے لحاظ سے ممتاز شاخ ہے، اس پہلو کو چمکائیے“۔ ہاشم صاحب نے حاشیہ میں لکھا کہ ”مولانا کی اس رائے سے بہتوں کو اتفاق کرنا مشکل ہوگا“ رائے کے اظہار کو وہ اختلاف یا مخالفت سمجھتے ہی نہیں تھے، کتنے لوگ خصوصاً علی گڑھ کے معاملات سے وابستہ لوگوں حتی کہ خود سرسید کے بارے میں ان کی اپنی رائے تھی اور مستقل تھی، لیکن یہ ان کے نزدیک اظہار حقیقت کے سوا کچھ اور نہ تھی، ان کا یہی مزاج تھا جو ان کو تبصرہ کرنے، خط لکھنے یا براہ راست گفتگو کرنے پر آمادہ کرتا۔ ان کی ایک یادگار کتاب ان کے تبصروں کا مجموعہ ہے جس کو جناب عارف اقبال نے ”ڈاکٹر ہاشم قدوائی کے تبصرے“ کے نام سے شائع کیا ہے۔ یہ تبصرے ایک قاری کے اظہار رائے کے حق کے طور پر تھے۔ ان کی اس صلاحیت کو ان کے مربی مولانا دریابادی نے غالباً بہت پہلے بھانپ لیا تھا، اسی لیے ان کا پہلا تبصرہ ”صدق جدید“ ہی میں شائع ہوا تھا۔ کتاب پڑھنا، تحقیق و کاوش کی داد دینا، قابل تعریف حصوں کو نمایاں کرنا، واقعاتی غلطیوں کی نشان دہی کرنا، مذہب و اخلاق پر حملوں کا جواب دینا، الفاظ کی صحت پر نظر اور ذاتیات سے پرہیز، تبصرہ کے یہ اصول بھی انھوں نے مولانا دریابادی سے سیکھے تھے اور ان کا ہر تبصرہ عین ان اصول کے مطابق ہوتا۔ ان کی یہ کتاب تبصرہ نگاروں کے لیے بصیرت افروز ہے۔ وہ اکثر رسائل کا مطالعہ کرتے اور اپنی رائے کا اظہار کرتے، اردو میں اگر کبھی ادیبوں، نقادوں، شاعروں کے طبقات کی طرح قارئین کے طبقہ کو تسلیم کیا جائے گا تو ایک ذمہ دار قاری کی حیثیت سے ہاشم صاحب کا نام سرفہرست ہوگا۔ رسائل میں جس کثرت اور تسلسل سے ان کے خطوط چھپے، شاید ہی کوئی اور ان جیسا نکلے۔ پسند اور ناپسند کے اظہار میں وہ بالکل خالص تھے، معارف میں سابق صدر جمہوریہ ہند عبدالکلام پر تعزیتی مضمون چھپا تو انھوں نے اس کے بعض جملوں پر یہ کہہ کر تنبیہ کی کہ یہ حد مبالغہ سے بھی پرے ہیں۔ معارف کے لیے وہ بے چین رہتے، انتقال سے کچھ ہی قبل ان سے گفتگو میں بس معارف ہی تھا۔ ان کا آخری خط اب بھی سامنے ہے، خدا جانے کس حالت میں لکھا تھا کہ کچھ بھی پڑھا نہ جاسکا لیکن اس سے ان کی محبت ہمیشہ پڑھی جاتی رہے گی۔ خود ان کی شخصیت بھی بار بار پڑھنے کے لائق ہے۔ مذہبی اعتقاد و روایات، علم و عمل اور شرافت اخلاق کا بلند ترین سبق لینے کا یہ صاف و شفاف سرچشمہ ہے۔ اللھم اغفر لہ وارحمہ۔

ع۔ص

مطبوعات جدیدہ

انسان کیسے کیسے: از جناب ریاض الرحمٰن شروانی، مرتب ڈاکٹر فخر عالم ندوی، متوسط تقطیع، بہترین کاغذ و کتابت و طباعت، مجلد، صفحات ۴۷۶، قیمت ۳۰۰ روپے، پتہ: حبیب منزل، میرس روڈ، علی گڑھ اور آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، سلطان جہاں منزل، شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ اور ایجوکیشنل بک ہاؤس، مسلم یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ۔ ۲۰۲۰۰۲۔

قریب پچاس شخصیتیں ہیں، ان میں مصلح، سیاست داں، عالم، معلم، ادیب، محقق، شاعر اور کچھ دوست اور رشتہ دار ہیں۔ ہر ایک کا اپنا دائرۂ عمل ہے، کہیں پھیلا، کہیں سمٹا، مذہب اور نظریہ بھی الگ الگ ہیں لیکن جس رشتہ میں ان کو پرویا گیا وہ ایک ہی ہے اور وہ ان کا بنیادی طور پر انسان ہونا ہے۔ خالق انسان کی معرفت اگر حاصل ہو تو احترام آدمیت کی نعمت عطا ہو ہی جاتی ہے۔ فاضل مصنف کے لیے یہ نکتہ یا راز بالکل عیاں ہے کہ انسانیت اور عبدیت کا جوہر سارے انسانوں میں مشترک ہے۔ اس کتاب میں ہر شخصیت کا مطالعہ اسی جوہر کا اثر ہے۔ بھورے میاں، حیات میاں، صابر میاں، زین العابدین، عبدالرشید خاں اور ملّن جیسے لوگوں کے ساتھ سرسید، گاندھی، نہرو، جوہر وغیرہ ناموں کو ایک ہی صف میں لاکر آدمی کو انسان کے روپ میں دیکھنا، دشوار کام کے آسان ہونے کے امکان کے باوجود دشوار تر ہے۔ لیکن اس کتاب میں بڑی نیک نیتی اور دل کی صفائی سے بتایا گیا کہ بشریت کے سارے لوازم و عناصر کے ہوتے ہوئے بھی آدمی کو انسان میسر ہونے میں اتنی دشواری بھی نہیں۔ فاضل مصنف اب خود ایک عہد ہیں، ایسا عہد جس نے قریب ایک صدی کے اتار چڑھاؤ کو قریب سے دیکھا اور سنا ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے والوں کی خوش نصیبی ہے کہ ہندوستان کی ایک صدی سے زیادہ کی تاریخ کے سب سے نمایاں انسانوں کی داستان ان کی اصل صفت اور سرشت کے ساتھ اس طرح بیان کردی گئی جس میں سطر سطر لطف و لذت کے ساتھ معرفت و بصیرت کی راہیں روشن کرتی جاتی ہے۔ ایسے انسانوں سے فاضل مصنف، متاثر نہ ہونے کو کم نظری و محرومی سے تعبیر کرتے ہیں لیکن ان سے متاثر کرنا اس سے بھی بڑھ کر اور صحیح معنوں میں خوبی ہے۔ پہلا مضمون سرسید پر ہے اور ''ایک تحریک'' کی صفت کے ساتھ ہے۔ اس حقیقت میں شاید ہی کسی کو شبہہ ہو کہ سرسید کی راہ میں ملت کی بے حسی، بے جا تنقید کاہلی، ذہنی تعصّبات اور کج روی کے سنگ گراں تھے۔ ان کو ہٹانے اور راستہ بنانے کے لیے وہ دل مطلوب تھا جو ملت کے درد سے معمور ہو، وہ مقصد پیش نظر ہونا تھا جس پر بھروسہ کیا جاسکے اور وہ عزم درکار تھا جو مشکل سے مشکل حالات میں مایوس ہو، نہ پسپائی اختیار کرنے والا ہو۔

سرسید اور ان کی تحریک کے تجزیہ میں اس بنیادی حقیقت کے ہٹنے ہی سے غلطیاں ہوئیں یا غلطیاں نظر آئیں۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے علامہ شبلی کے بارے میں لکھا کہ علی گڑھ نے ان کو ملت کی بربادی کا درد و احساس دیا، شروانی صاحب نے اسی اجمال کی تفصیل بیان کردی، یہی انداز نظر ہے جو گاندھی، نہرو اور جوہر و آزاد سب کے مطالعہ میں کارفرما ہے اور جس کی وجہ سے قاری کو اس تذکرہ میں شامل ہر فرد کو ایسا انسان مل جاتا ہے جو خطا و نسیان کے باوجود عمل شیطان سے دور دکھائی دیتا ہے۔ مولانا آزاد سے شروانی صاحب کے حسن عقیدت سے سب واقف ہیں، ان کا کہنا ہے کہ مولانا آزاد کو عظمت اس وقت حاصل ہوگئی تھی جب دوسرے لوگ اس کے صحیح معنی و مطلب سمجھنے کی اہلیت بھی مشکل سے رکھتے تھے، اس عظمت کا ایک راز یہ بتایا گیا کہ ۱۹۱۴ء سے ۱۹۵۸ء تک اس مرد حق آگاہ کا انداز اور طور طریق یکساں ہی رہا، اس میں بال برابر ٹیڑھ نہ آسکی، خودداری اور عزت نفس اور عقیدہ کی مضبوطی آزاد کے پیکر کو دلکش بنانے کے بنیادی عناصر تھے، تقریباً یہی اوصاف ذاکر صاحب کی شخصیت میں دکھائے گئے۔ علامہ شبلی کے ذکر میں زیادہ تر علی گڑھ کا وہ پس منظر ہے جس میں قلم کے فن کاروں کے لیے خاص کشش رہی، اس لیے اس جملہ میں معنویت ہے کہ علامہ شبلی جس ذہنی و علمی ماحول سے علی گڑھ آئے تھے ان کی موجودگی میں وہ ان (سرسید کے) اقدامات کا ایک حد تک ہی ساتھ دے سکتے تھے اور یہ خیال بھی بہتوں کو بھلا لگ سکتا ہے کہ ایک ہی دور میں قدیم اور جدید دونوں سے تصادم، شبلی کو عظمت عطا کرنے کا موجب ہوا۔ اس تذکرہ کی ایک خوبی ہمارے نزدیک یہ بھی ہے کہ ایسے متعدد خوش خصال گویا پھر زندہ ہوگئے جو یاد رکھنے کے لائق تھے مگر وقت کی گرد نے ان کی چمک کو پھیکا کردیا جیسے ڈاکٹر شوکت اللہ انصاری، نواب احمد سعید خاں چھتاری، پروفیسر ہارون خاں شروانی، مفتی عبداللطیف، سید محمد ٹونکی وغیرہ۔ ان میں باوا جی یعنی شروانی صاحب کے تایا مولوی خلیل الرحمٰن شروانی کا تذکرہ مختصر ہونے کے باوجود بڑا پراثر ہے۔ حضرت گنج مرادآبادی کے مرید ایسے ہی انسان ہوسکتے تھے، فیاضی، صبر، شکر، محبت، شفقت کے پتلے، ایسا ہی ذکر صابر میاں کا ہے، نام تھا منظور احمد شاہ صابر کلیر والے کے ایسے عقیدت مند کہ ہر ماہ نیا چاند وہ کلیر ہی میں دیکھتے۔ دیکھا جائے تو اس تذکرہ میں شامل ہر شخصیت تذکرہ نگار کی بلند نظری کی علامت بن گئی۔ کتاب کا نام آسماں کیسے کیسے بھی ہوسکتا تھا لیکن ان کی نظر میں انسان کا شرف نہ فرشتہ ہونے میں ہے نہ آسمان ہونے میں۔ مصنف کے اس نقطہ نظر نے اس کتاب کو بار بار پڑھنے کے لائق بنادیا، مضامین کے جمع و ترتیب کے لیے لائق مرتب شکریہ کے واقعی مستحق ہیں، ہاں کتاب کی غلطیاں کثرت سے ہیں اور مطالعہ کے لطف میں حارج ہیں۔

ع۔ص

رسید کتب موصولہ

اقبال کی وطنی شاعری کی معنویت، ایک تنقیدی مطالعہ: از ڈاکٹر فرحت زیبا، امرین بک ایجنسی، احمد آباد، ہمالیہ بک ورلڈ حیدر آباد۔ قیمت =/۲۵۰ روپے

بدلتے پیمانے: از ڈاکٹر یوگیندر ناتھ شکل، مترجم ڈاکٹر حدیث انصاری، ناشر L-1-4، اسٹاف کالونی یونیورسٹی کیمپس موہن لال سکھاڑیا یونیورسٹی، اودے پور (راجستھان)۔ قیمت =/۳۵۰ روپے

خطبات مسلم پرسنل لا بورڈ: مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، پوسٹ بکس نمبر ۱۱۹، ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔ قیمت =/۱۰۰ روپے

سیرۃ خاتم النبیین محمدؐ: الشیخ محمد الرابع الندوی، تعریب محمد وثیق الندوی، المجمع الاسلامی العلمی، ندوۃ العلماء، لکناؤ۔ قیمت =/۳۵۰ روپے

عمر گزشتہ کی کتاب: از ہارون بی اے، مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، پرنس بلڈنگ، ممبئی۔۴۔ قیمت =/۳۰۰ روپے

قلم کا سپاہی حفیظ نعمانی: محمد اویس سنبھلی، دانش محل امین آباد، لکھنؤ۔ قیمت =/۳۵۰ روپے

کلیات نشور واحدی حصہ غزلیات: مرتبین نیاز واحدی مرحوم، ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، ادبی دائرہ، رحمت نگر عقب آواس وکاس کالونی، اعظم گڑھ۔ قیمت =/۵۰۰ روپے

کلیات ثروت: مرتب ڈاکٹر جاوید نسیمی، سید اسلم میاں، محلہ بیریان، رامپور۔ قیمت =/۳۰۰ روپے

مجالس نبویؐ: محمد الیاس بھٹکلی ندوی، مولانا ابوالحسن علی ندوی، اسلامک اکیڈمی، پوسٹ نمبر ۳۰، بھٹکل (کرناٹک)۔ قیمت درج نہیں

مولانا عبدالباری ندوی شخصیت اور دینی وعلمی خدمات: مرتب محمد وثیق ندوی، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ۔ قیمت =/۱۴۰ روپے

تصانیف علامہ شبلی نعمانیؒ

کتاب	قیمت
سیرۃ النبیؐ جلد اول و دوم (یادگار ایڈیشن)	2000/-
سیرۃ النبیؐ	
(خاص ایڈیشن مکمل سیٹ ۷ جلدیں)	2200/-
علامہ شبلی و سید سلیمان ندوی	
مقدمہ سیرۃ النبیؐ	30/-
الفاروق	300/-
الغزالی	200/-
المامون	175/-
سیرۃ النعمان	300/-
سوانح مولانا روم	80/-
شعر العجم اول	150/-
شعر العجم دوم	130/-
شعر العجم سوم	125/-
شعر العجم چہارم	150/-
شعر العجم پنجم	120/-
الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی	350/-
(محقق ایڈیشن) تحقیق: ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی	
الکلام	230/-
علم الکلام	180/-
موازنہ انیس و دبیر	100/-
اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر	100/-
سفرنامہ روم و مصر و شام	200/-
کلیات شبلی (اردو)	180/-
کلیات شبلی (فارسی)	45/-
مقالات شبلی اول (مذہبی)	100/-
مرتبہ: سید سلیمان ندوی	
مقالات شبلی دوم (ادبی) 〃	70/-
مقالات شبلی سوم (تعلیمی) 〃	80/-
مقالات شبلی چہارم (تنقیدی) 〃	200/-
مقالات شبلی پنجم (سوانحی) 〃	150/-
مقالات شبلی ششم (تاریخی) 〃	90/-
مقالات شبلی ہفتم (فلسفیانہ) 〃	100/-
مقالات شبلی ہشتم (قومی و اخباری) 〃	110/-
خطبات شبلی مرتبہ: عبدالسلام ندوی	80/-
انتخابات شبلی مرتبہ: سید سلیمان ندوی	45/-
مکاتیب شبلی اول 〃	150/-
مکاتیب شبلی دوم 〃	190/-
شذرات شبلی مرتبہ: ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	220/-

ISSN 0974 - 7346 Ma'arif (Urdu) -Print
February 2017 Vol - 199 (2)
RNI. 13667/57 MA'ARIF AZM/NP- 43/019
Monthly Journal of
Darul Musannefin Shibli Academy
P.O.Box No: 19, Shibli Road, Azamgarh, 276001 U.P. (India)

تصانیف ومطبوعات شبلی صدی تقریبات

نمبر	کتاب	مصنف	قیمت
۱۔	سیرۃ النبیؐ جلد اول و دوم (یادگار ایڈیشن)	علامہ شبلی نعمانی	2000/-
۲۔	شبلی کی آپ بیتی	ڈاکٹر خالد ندیم	325/-
۳۔	دارالمصنّفین کے سو سال	کلیم صفات اصلاحی	350/-
۴۔	شذرات شبلی (الندوہ کے شذرات)	مرتبہ: ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	220/-
۵۔	الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی	علامہ شبلی نعمانی تحقیق: ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی	350/-
۶۔	محمد شبلی لائف اینڈ کنٹری بیوشنس	ڈاکٹر جاوید علی خاں	230/-
۷۔	حیات شبلی (جدید)	علامہ سید سلیمان ندوی	650/-
۸۔	مولانا الطاف حسین حالی کی یاد میں	اشتیاق احمد ظلی	250/-
۹۔	حیات سعدی	تصنیف: خواجہ الطاف حسین حالی	400/-
۱۰۔	شبلی شناسی کے اولین نقوش	مرتبہ: ظفر احمد صدیقی	600/-
۱۱۔	شبلی ایک دبستان	آفتاب احمد صدیقی	250/-
۱۲۔	متاع رفتگاں	شاہ معین الدین احمد ندوی	200/-
۱۳۔	یہود اور قرآن مجید	مولانا ضیاء الدین اصلاحی	150/-
۱۴۔	رسائل شبلی	علامہ شبلی نعمانی	300/-
۱۵۔	اردو ترجمہ مکاتیب شبلی	ڈاکٹر خالد ندیم	110/-
۱۶۔	تاریخ بدء الاسلام (علامہ شبلی نعمانی)	مرتبہ: ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی	300/-
۱۷۔	مراسلات شبلی	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	150/-